قرآن و حدیث کی روشنی میں

خالص

اسلامی عقائد و مسائل

مؤلف:

محمد حفیظ الرحمٰن مصباحی

ناشر

پیغامِ حق آرگنائزیشن راج محل، صاحب گنج (جھارکھنڈ)

قرآن و حدیث کی روشنی میں

خالص

اسلامی عقائد و مسائل

محمد حفیظ الرحمٰن مصباحی

ناشر

پیغام حق ارگنائزیشن، راج محل، صاحب گنج (جھارکھنڈ) ۸۱۶۱۰۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لك الحمد و الشكر يا الله والصلاة والسلام عليك يا رسول الله ﷺ

نام کتاب: اسلامی عقائد و مسائل

مؤلف: محمد حفیظ الرحمٰن مصباحی

تصویب: حضرت مولانا صدر الوریٰ مصباحی

نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

نظر ثانی: مفتی محمد مسیح احمد قادری مصباحی

پرنسپل و شیخ الحدیث جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرامپور

تقدیم: حضرت مولانا خالد ایوب مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

کمپوزنگ: محمد معصوم رضا مصباحی (بکارو)

ناشر: پیغامِ حق ارگنائزیشن، (راج محل، صاحب گنج)

سن اشاعت: ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء

بموقع عرسِ حافظِ ملت و جشن دستارِ فضیلت

صفحات: ۸۰

قیمت :

ملنے کا پتے

۱ المجمع الاسلامی مبارکپور

۲ پیغامِ حق ارگنائزیشن (راج محل، صاحب گنج، جھارکھنڈ)

۳ سوشل ویلفیر سوسائٹی ہمتاباد اتر دیناج پور (مغربی بنگال)

فہرست

شمارہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر
۱	تہدیہ	۵
۲	شرف انتساب	۶
۳	پیش لفظ	۷
۴	تبریکات کلمات	۹
۵	تقریظ	۱۰
۶	تقدیم	۱۱
۷	ایمان کیا ہے؟	۱۷
۸	ایمان اور اسلام میں فرق	۱۹
۹	حدیث افتراق امت	۲۰
۱۰	اہلِ سنت و جماعت ہی جنتی فرقہ	۲۲
۱۱	ایک مومن کے لیے کتنی چیزیں ضروری؟	۲۳
۱۲	فرقۂ ناجیہ کا تعارف عقائد کی روشنی میں	۲۵
۱۳	صانع حقیقی اللہ تعالیٰ کا وجود	۲۷
۱۴	اللہ تعالیٰ قدیم اور واجب الوجود ہے	۲۹
۱۵	صفاتِ باری تعالیٰ	۳۱
۱۶	خدا کا جھوٹ بولنا ناممکن	۳۲
۱۷	توحید باری تعالیٰ کا ثبوت	۳۳
۱۸	شرک کیا ہے اور مشرک کون؟	۳۶

۱۹	انبیا علیہم السلام تمام بشر سے افضل	۴۲
۲۰	کوئی امتی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا	۴۳
۲۱	سید الانبیا ﷺ تمام نبیوں سے افضل	۴۵
۲۲	شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فضیلت	۴۸
۲۳	عصمت انبیا علیہم السلام	۵۰
۲۴	انبیا علیہم السلام کے نسب کی پاکیزگی	۵۴
۲۵	حضور ﷺ کے والدین مومن اور موحد تھے	۵۵
۲۶	رسول اللہ ﷺ عالم ماکان ومایکون	۵۷
۲۷	مغیبات خمسہ کا علم	۶۱
۲۸	شفاعت کی شرعی حیثیت	۶۶
۲۹	شفاعت کے سلسلے میں معتزلہ اور وہابیہ کا رد	۶۷
۳۰	تقلید ائمہ کی ضرورت واہمیت	۷۲
۳۱	ایک ہی امام کی تقلید کیوں؟	۷۵
۳۲	متفرق عقائد و مسائل	۷۷

اپیل: حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نہ رہنے پائے، اس کے باوجود اگر کوئی خامی در آئی ہو تو اس کو نشانہ بنائے بغیر برائے مہربانی مندرجہ ذیل پتہ پر باخبر کریں، انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر لی جائے گی۔

Md.Hafeezur Rahman Mob.no.8127771928

Email-id: mdhrahman14@gmail.com

تہدیہ

سید المرسلین، خاتم النبیین، راحۃ العاشقین، شفیع المذنبین حضور ﷺ

و

معجزۂ نبوّت، فخرِ امّت، امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

و

ابو الفیض جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ الشاہ عبد العزیز محدّث مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ
بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(ولادت: ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء — وفات: ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء)

و

جملہ اکابر اہل سنت کے نام جنہوں نے خالصاً لوجہ اللہ
دین متین کی حفاظت وصیانت کے لیے اپنا خون جگر بہایا۔

ایصالِ ثواب

جملہ مومنین و مومنات
بالخصوص مرحوم یادعلی و مرحومہ شافع نور

شرفِ انتساب

سلسلۂ قادریہ
محبوب سبحانی ابو محمد حضرت شیخ محی الدین سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ
(وفات: ۵۶۱ھ)

سلسلۂ چشتیہ
ملک المشائخ شیخ ابو اسحاق شامی چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ
(وفات : ۳۲۹ھ)

سلسلۂ نقش بندیہ
قطب الاولیا شیخ بہاؤالدین محمد بن محمد نقش بند رحمۃ اللہ تعالیٰ
(وفات: ۷۹۱ھ)

سلسلۂ سہروردیہ
شیخ الشیوخ ضیاء الدین ابو نجیب عبد القاہر سہروردیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ
(وفات: ۵۶۳ھ)

بانیان سلاسل اربعہ کے نام منسوب
جن کی مساعی جمیلہ سے اسلام کی ترویج و اشاعت ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے پناہ فضل و احسان کہ اس نے ہمیں اپنے حبیب پاک ﷺ کی امت میں پیدا فرما کر شریعت محمدیہ پر چلنے کی توفیق دی اور ایمان کی عظیم دولت سے فرمایا۔

یقیناً ایمان مومن کی سب سے بڑی قیمتی دولت ہے، یہی وہ بنیاد ہے کہ جس پر دنیا و آخرت کی فلاح و بہبودی کا دارومدار ہے اور یہی دونوں جہاں کی کامیابی کا ضامن ہے۔ آج ہمارے عوام اکثر فروعی چیزوں میں الجھے ہوئے ہیں اور انھیں کو اصل سمجھنے لگے ہیں۔ پھر یہ کہ بہت سے لوگ عقائد سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اللہ عزّوجل اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں غیر مناسب باتیں کہہ جاتے ہیں، بلکہ بسا اوقات کفریہ کلمات بھی بول جاتے ہیں، لیکن اس کا احساس نہیں۔ اس لیے ہر مومن کو سب سے پہلے ایمان اور اسلام کے بنیادی عقائد کا جان لینا بے حد ضروری ہے۔ ایمان اور عقیدے میں کچھ گڑبڑی ہوئی تو یہ اعمال (نماز، روزہ، حج، زکات اور صدقہ و خیرات وغیرہ) سارے کے سارے دھرے رہ جائیں گے اور کفِ افسوس ملتے ہوئے دوزخ کی راہ اپنانا پڑے گا۔

میری دیرینہ آرزو تھی کہ تبلیغِ دین کی خاطر عوام کے لیے کوئی مناسب رسالہ ترتیب دوں۔ حضور حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ والرضوان کے باغِ فردوس "جامعہ اشرفیہ مبارکپور" میں فارغین طلبہ کو تقاضاے وقت کے مطابق چھوٹے بڑے رسالے ترتیب دے کر عرسِ عزیزی کے پُر بہار موقع پہ شائع کرتے دیکھا تو میرا یہ جذبہ اور بیدار ہوا۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت علامہ عبد الشکور مصباحی مد ظلہ العالی اور مصلحِ قوم و ملت حضرت مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی دام فیضہ النورانی کی رہنمائی سے قرآن و حدیث اور معتبر کتابوں سے اہلِ سنت و جماعت کے عقائد اخذ کر کے مثبت انداز میں ایک رسالہ ترتیب دینے لگا۔ اور بحمدہٖ تعالیٰ اساتذہ کرام کے سایہ کرم میں تکمیل تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سارے اساتذہ کو سلامت رکھے اور خدا کرے! ہمیشہ ان کے فیوض و برکات ہمارے سروں پر سایہ فگن رہے۔ آمین

استاذ محترم حضرت مولانا صدر الوریٰ مصباحی صاحب قبلہ (استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور) کا ہم تہِ دل سے شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود مجھ ناچیز کے لیے اپنا قیمتی وقت

نکالا اور اس کتاب کو شروع سے اخیر تک پڑھ کر تصحیح فرمائی۔ اور حضرت مفتی مسیح احمد قادری مصباحی (پرنسپل وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرامپور) کا بھی بعمیق قلب ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے اپنے قیمتی اوقات کا وافر حصہ میرے لیے نکال کر گہری نظر سے پوری کتاب کی نظر ثانی کی اور تصحیح فرمائی، پھر ایک قیمتی تقریظ عنایت کر کے ہماری حوصلہ افزائی کی۔ ساتھ ہی حضرت علامہ عبد الشکور مصباحی (شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیۃ مبارکپور) کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے کتاب کا مطالعہ کیا اور دعائیہ کلمات سے نواز کر رسالہ کے اچھے ہونے کی سند پیش کی، حضرت مولانا خالد ایوب (راجستھان) صاحب قبلہ استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی بارگاہ میں سراپا تشکر وامتنان بن کر حاضر ہوں کہ انھوں نے ایک جامع تقدیم سے کتاب کی اہمیت کو دوبالا کیا، اور بڑا احسان مند ہوں علامہ محمد احمد مصباحی (سابق صدرالمدرسین جامعہ اشرفیہ مبارکپور) اور پیر طریقت حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی صاحب قبلہ کا کہ انھوں نے اس رسالہ کا نام "اسلامی عقائد و مسائل" منتخب کر کے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان بذرگانِ دین کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھے۔ آمین

میں اپنے والدین کا شکر گذار ہوں، جن کی دعاؤں اور کوششوں نے مجھے اس منزل تک پہنچایا۔ ساتھ میں اپنے ان تمام محبین مخلصین کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنھوں نے قدم قدم پہ میرا ساتھ دیا اور ہر موڑ پر میری حوصلہ افزائی کی۔ بالخصوص حافظ و قاری برکت رضا (راج محل)، سید احمد رضا (بلرامپور)، مولانا نصیر الدین، مولانا عبد الرقیب (راج محل)، مولانا ضیاء الحق (مالدہ) مولانا منور حسین نعیمی (راج محل)، مولانا علی رضا مصباحی (دیوگھر)، مولانا معصوم رضا مصباحی (بکارو)، حاجی عبد الہادی (بلرامپور) مولانا آفتاب عالم (دھنباد) محمد بہاء الدین، محمد فیروز عالم، مولانا عبد الکریم امجدی، محمد صائم رضا (راج محل) اور دیگران تمام احباب کی بارگاہ میں تشکر وامتنان کا نذرانہ پیش کرتا ہوں، جنھوں نے اس رسالہ کی طباعت واشاعت میں کسی طرح سے بھی حصہ لیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ تمام حضرات کو ان کے خلوص کا بہترین صلہ عطا فرمائے، اس رسالہ کو صدقۂ جاریہ بنائے اور ہم سب کو دونوں جہاں کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ افضل الصلاۃ والتسلیم۔

طالب دعا

احقر محمد حفیظ الرحمٰن مصباحی

مقام مہاجن ٹولہ، پوسٹ نرائن پور، تھانہ راج محل، ضلع صاحب گنج (جھارکھنڈ)

۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ، مطابق ۱/ مارچ ۲۰۱۵ء

کلماتِ تبریک

شیخ الاساتذہ علامہ عبد الشکور مدّ ظلّہ العالی والنورانی
شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی

عزیزم محمد حفیظ الرحمٰن ابن محمد احسان علی ضلع صاحب گنج کے رہنے والے ہیں۔ یہ چند سال پہلے ہندوستان کی عظیم درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں داخلہ لے کر تعلم کا سلسلہ جاری کیے اور ترقی کی راہیں طے کرتے ہوئے منزلِ مقصود کے قریب ہوئے۔ اس سال درجۂ فضیلت دورۂ حدیث میں پہنچ کر منتہی کتابیں پڑھ رہے ہیں۔ یہ سال ان کے لیے مسرت و شادمانی کا سال ہے، اس سال ان کو جبہ و دستارِ فضیلت سے نوازا جائے گا۔ اس خوشی کے موقع پر انھوں نے ایک کتاب ترتیب دی ہے۔ اس میں انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں مختلف عناوین کے تحت واضح انداز میں عقائد کو بیان کیا ہے۔ جا بجا دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ عزیزی موصوف نے اس میں ذہنی توانائی صرف کی ہے اور بہتر بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ احادیث کی روشنی میں کہا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے دینی علوم میں اضافہ ہوگا اور عقائد میں پختگی ہوگی۔

دورِ طالبِ علمی میں ان کا یہ عمل ذوقِ تحریر اور دینی جذبہ کا مظہر ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تبارک و تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت دے اور مزید خدمتِ دین کا جذبہ عطا کرے اور اس کتاب کو مسندِ عام بنائے۔ آمین۔ وصلّی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

علامہ عبد الشکور مصباحی
شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور (یو، پی)

۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ، مطابق ۲۸/ فروری ۲۰۱۵ء

تقریظ

از: حضرت علامہ مفتی مسیح احمد قادری مصباحی پرنسپل وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرامپور

حامداً ومصلیاً ومسلماً: اس دور پُر فتن میں باطل فرقوں نے اپنی پُر کشش تحریکات اور مزخرفات کے ذریعہ اپنے بھولے بھالے مسلمانوں کو دامِ تزویر میں پھنسا کر راہِ حق سے ہٹانے کا غیر معمولی سلسلہ جاری رکھا ہے۔

ہر زمانے میں حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی اور نبرد آزمائی ہوتی رہی ہے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ حق کا پرچم ہمیشہ بلند رہا اور باطل سرنگوں رہا۔ فرمانِ الٰہی ہے: "وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبٰطِلُ اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾" (سورہ:بنی اسرائیل،آیت:۸۱) اور فرماؤ کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

باطل کی سرکوبی اور دنداں شکنی کے لیے مردانِ حق نے کبھی کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی زیرِ نظر رسالہ "اسلامی عقائد و مسائل" بھی ہے، جس کو عزیز گرامی مولانا محمد حفیظ الرحمٰن مصباحی سلّمہ المنّان نے ترتیب دیا ہے۔ میں نے اس کتاب کا از اول تا آخر مطالعہ کیا، فاضل موصوف نے اسلامی عقائد و معمولات کو قرآن، احادیث مبارکہ اور اقوالِ سلف کی روشنی میں نہایت دل نشیں اور تحقیقانہ انداز میں تحریر کیا ہے، جن سے فرقہائے باطلہ کی نقاب کشائی اور اہلِ حق کی ترجمانی بخوبی ہو رہی ہے۔

دعا ہے مولیٰ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک علیہ التحیۃ والثنا کے صدقہ وطفیل اس کتاب کو نافعِ انام بنائے اور مؤلف سلّمہ الرحمٰن کو جزائے تام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

دعا گو:
مفتی محمد مسیح احمد قادری مصباحی
پرنسپل وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرامپور (یو،پی)
۹/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ، مطابق ۱/مارچ ۲۰۱۵

تقدیم

مولانا خالد ایوب مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، چیف ایڈیٹر ہندی ماہنامہ "احساس" جے پور

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے

اللہ رب العزت نے اپنے پسندیدہ مذہب، مذہب مہذب، مذہب اسلام کے تعلق سے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (سورہ مائدہ، آیت نمبر: ۳) آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے دین کے طور پر اسلام کو پسند کیا۔

رب کریم مزید مذہب اسلام کے تعلق سے فرماتا ہے: وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا۔ (سورہ نسا، آیت نمبر: ۱۲۵) اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے اپنا منہ اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ نیکی والا ہے اور ابراہیم کے دین پر چلا، جو ہر باطل سے جدا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا۔

اور فرماتا ہے: قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرٰطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (سورہ انعام، آیت نمبر: ۱۶۱) یعنی تم فرماؤ! بے شک مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی۔ ٹھیک دین ابراہیم کی ملت جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرک نہ تھے۔

اللہ کی شان کہ اس نے اپنے اس دین کو اتنا پسند فرمایا کہ ایک جگہ فرمایا: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ (آل عمران، آیت نمبر: ۱۹) یعنی بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ گویا اسلام کے بالمقابل دیگر ادیان کالعدم ہیں۔ کفار و مشرکین تو رہے درکنار یہود و نصاری جنھیں دین الہی کے حامل بلکہ خدا کے سب سے چہیتے ہونے کا دعوی تھا، ان کا دعوی بھی پادر ہوا ہے۔ اب تو بس قیامت تک ایک ہی دین ہے اور اس اکیلے دین کے تعلق سے ایک ہی بات ہے: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ

الْاِسْلٰمِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔(آل عمران، آیت نمبر: ۸۵)
اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں سے۔

بلکہ سورہ صف آیت نمبر ۷۔۹ میں کفری کی جڑیں کاٹتے ہوئے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کہا جانا چاہیے: وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَ ھُوَ یُدْعٰۤی اِلَی الْاِسْلٰمِ وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۔ ھُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔(سورہ صف، آیت نمبر: ۷۔۹)

ترجمہ:۔اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالاں کہ اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو اور ظالم لوگوں کو اللہ راہ نہیں دیتا۔ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھادیں اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا ہے چاہے برا مانیں کافر۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچّے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ برا مانیں مشرک۔

دوستو! یہ ہے ہمارا مذہب اسلام اور یہ ہے ہمارے اسلام کا کمال۔ پیدا کرنے والے نے اس مذہب کو پسند فرمایا ہے۔ اسے اپنے پیاروں کا مذہب بتلایا ہے۔ اسے کمال تک پہنچایا ہے۔ یہی مذہب اس کے ہاں مقبول ہے۔ جو اس سے پھرا وہ کہیں کا نہیں۔ ہزار مخالفتوں کے باوجود وہ ضرور اس کا اتمام فرمائے گا۔ کیا کیا فضائل ہیں دین اسلام کے اور کیسی کیسی عنایتیں ہیں اس کریم کی اس مذہب پر۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کا طریقہ تھا جب بھی کوئی اہم موقع ہوتا اسلام کی ان نمایاں خوبیوں کا ضرور تذکرہ کرتے۔ آیت کریمہ: وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمٰنِکُمْ کُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِھِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔(سورہ بقرہ ، آیت نمبر: ۱۰۹) یعنی بہت کتابیوں نے اپنے دلوں کی جلن کی وجہ سے چاہاکہ کاش تمھیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں، جبکہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے تو تم چھوڑو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔کی تفسیر میں لکھا ہے: جنگ احد کے بعد یہود کی

جماعت نے حضرت حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو تمھیں شکست نہ ہوتی "تم ہمارے دین کی طرف واپس آجاؤ" حضرت عمار نے فرمایا: تمھارے نزدیک عہد شکنی کیسی ہے؟ انھوں نے کہا: نہایت بری۔ آپ نے فرمایا: میں نے عہد کیا ہے کہ زندگی کے آخر لمحے تک سید عالم محمد مصطفےٰ ﷺ سے نہ پھروں گا اور کفر نہ اختیار کروں گا۔ اور حضرت حذیفہ نے فرمایا: میں اللہ کے رب ہونے، محمد مصطفےٰ ﷺ کے رسول ہونے، اسلام کے دین ہونے، قرآن کے ایمان ہونے، کعبہ کے قبلہ ہونے اور مومنین کے بھائی ہونے پر راضی ہوا۔ پھر یہ دونوں صاحب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو واقعہ کی خبر دی حضور نے فرمایا: تم نے بہتر کیا اور فلاح پائی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اسلام کا ایک بہت بڑا کمال اس کا دین فطرت ہونا بھی ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد انسان کسی بھی مذہب کو اپنائے، کسی بھی راستے پر چلے اور کچھ بھی کرے، بہر حال اس کی سرشت میں اسلام ہے۔ رگ رگ میں اسلام ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ پیدا کرنے والے تو سب کو مسلمان پیدا کیا ہے۔ مذاہب کی باطل تفریق تو انسان کا اختراع ہے: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، وَيُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ البَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ» ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: {فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لاَ تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذَلِكَ الدِّينُ القَيِّمُ} [الروم: 30] (الصحیح للبخاری، کتاب الجنائز، بَابُ إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ، هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ، وَهَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الإِسْلاَمُ، حدیث نمبر: ۱۳۵۹)

اسلام کی ایک نمایاں خوبی اس کی آسانیاں ہے۔ دراصل یہ خوبی فطرت سلیمہ ہی کا گویا دوسرا حصہ ہے۔ کیوں کہ مخلوق کے تعلق سے خالق سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا۔ اس نے صاف فرمایا: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (سورہ بقرہ، آیت نمبر: ۲۵۶) دین میں کچھ زبردستی نہیں بے شک نیک راہ گمراہی سے خوب جدا ہوگئی ہے، تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے، اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ

سنتا جانتا ہے۔

مزید فرمایا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ (سورہ بقرہ، آیت نمبر: ۲۸۶) یعنی اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ توجس نے جو اچھا کیا اس کا فائدہ ہے اور جو برا کیا اس کا نقصان ہے۔

اس کے نبی ﷺ نے بھی کھل کر کہا ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ» (الصحیح للبخاری، کتاب الایمان، باب: الدین یسر، حدیث نمبر: ۳۹)

مشکل وقت میں عبادتوں میں تخفیف، قصر، عفو، قضا، بدل وغیرہ اس کی آسانیوں کے واضح دلائل ہیں۔ درج بالا نصوص کے مصادیق ہیں۔

اسلام کے یہ خصائص دیگر مذاہب عالم کے لیے دعوت فکر بھی ہیں اور اسلام کی حقانیت کی کھلم کھلا دلیل بھی۔ انصاف پسندوں کے لیے باعث طمانینت بھی ہیں اور حاسدوں کے مزید کڑھن کا سبب بھی۔ دیگر مذاہب عالم کا مطالعہ ہر انصاف پسند آدمی کو آخر کار یہ بات کہنے پر ضرور مجبور کرتا ہے کہ مذہب میں کمی ہے۔ کچھ تشنگی ہے۔ ابھی درجہ کمال تک نہیں پہنچ سکا۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ مرور ایام کے ساتھ ہی ہر مذہب کے ماننے والوں کی تعداد بھی غیر معمولی طور پر متاثر ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔ بلکہ تاریخ کے صفحات پر کچھ ایسے مذاہب کے نشانات بھی ملتے ہیں کہ آج جن کے نظریات اور پیروکار تو رہے دور، ان کا نام جاننے والا بھی کوئی نہیں۔ جبکہ اسلام سلسلہ بہ سلسلہ ترقی کی راہوں پر ہے بلکہ جتنا دبایا جا رہا ہے، اتنا ہی ابھرتا جا رہا ہے۔ جتنا بدنام کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اسی قدر اس کے نئے نئے پہلو سامنے آرہے ہیں۔

اللہ و رسول جل جلالہ و ﷺ کا عطا کردہ بس ایک دستور العمل لے کر چلنے والا یہ مذہب چودہ صدیوں سے دنیا کو فیض یاب کرتا آرہا ہے اور اس دوران ہزاروں رنگ ونسل کے لوگوں کا مذہب بننے کے باوجود زندگی کا کوئی موڑ ایسا نہیں آیا جہاں اس مذہب نے قیادت کا حق ادا نہ کیا ہو۔ کیا یہ حیرت ناک بات نہیں کہ مسائل آج پیدا ہو رہے ہیں اور ان کا حل اسلام میں پہلے سے موجود

ہے ؟ یقینا یہ وہ وصف ہے جو حقانیت اور صرف حقانیت کا امتیاز ہو سکتا ہے۔

اسلام کی خوبیوں سے خار کھائے ہوئے لوگوں نے اس کو اپنانے کی بجائے ہر دور میں اس کو اپنے لیے چیلنج سمجھا اور جس سے جو بن سکا، دست ستم دراز کرتا رہا۔ ان یاران نکتہ داں نے ایک بڑا ظلم یہ کیا کہ اسلام کی شبیہ بگاڑنے کے لیے اس کی غلط تفہیم کی اور اسے وحشی مذہب بنا کر پیش کیا۔ لیکن کاغذ کی ناؤ طفل تسلی تو ہو سکتی ہے، موجوں کی مقابل نہیں۔ گزرتے زمانے کے ساتھ اسلام کا چہرہ نکھرتا رہا اور دشمن اپنی موت مرتا رہا۔ لیکن وہ دشمن بھی دشمن کیا جو شاطر دماغ نہ ہو۔ اور خاص طور سے اسلام کے دشمنوں کا تو امتیاز ہی شاطرانہ چالیں ہیں۔ قرآن نے ان دشمنوں کی یوں نشان دہی کی ہے: وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی ۔(سورہ بقرہ، آیت نمبر: ۱۱۹) یعنی یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہ کر لیں۔

یہود و نصاریٰ کی شاطرانہ چال کا ایک اہم ترین حصہ اسلام کے ماننے والوں کے درمیان فکری انتشار پیدا کر کے روح ایمان کو ختم کرنا رہا ہے۔ کیوں یہ جانتے ہیں یہ فاقہ کش جو موت سے ذرا نہیں ڈرتا تھا، اس کی بے خوفی کی واحد وجہ روح محمدی ہے۔ اور اگر وہ مسلمان کے اندر کی یہ روح نکالنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر نام کا مسلمان خالی ڈھانچہ تو ہو سکتا ہے لیکن انقلاب آفریں انسان ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اس روح کو نکالنے کے لیے فکر عرب کو فرنگی تخیلات کا جامہ دینا ضروری تھا۔ اور یہ کام جہاں لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی سے ہونا تھا وہیں مذہب و مذہبیات کی غیر ضروری بحثوں سے بھی آسانی سے ہو سکتا تھا۔ بس یہی وہ زاویہ فکر ہے جس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بد طینت جماعت نے مسلمانوں کی تفریق در تفریق کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ماضی قریب میں اس چال کے جو پینترے سامنے آئے انہیں ہم ان اسلامی فرقوں کے روپ میں جانتے ہیں: (۱) قادیانیت: جس نے اسلام کے بنیادی عقیدے ختم نبوت پر اٹیک کیا۔ (۲) وہابیت : جس نے اسلام کی اسلاف دوستی اور پاکیزہ روایات پر جرح کی۔ (۳) نیچریت: جس نے مسلمانوں کے غیر معمولی دینی یقین اور نا قابل تسخیر ایمان پر ہاتھ صاف کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ وغیرہ۔

بالخصوص وہابی فتنہ جس نے زمین ہند پر انگریز حکومت سے اپیل کر کے ''اہل حدیث''

کا نام اور لیبل حاصل کیا، مسلمانوں میں علمی، ذہنی، فکری اور مذہبی سطح پر کافی ہلچل بپا کی تھی لیکن اب الحمد للہ علی احسانہ علماے حق کی قربانیوں اور مسلسل تعاقبات کے نتیجے میں یہ فرقہ بھی مذہبی تشدد کی انتہا کو پہنچ کر رفتہ رفتہ اپنی موت سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ تکبر، عناد، جہالت، اسلاف بیزاری اور مذہبی تشدد کے حامی اس فرقے نے جن مسائل کو جنم دیا تھا، علماے اہل سنت و جماعت نے بخوبی ان کے جوابات دیئے، دے رہے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ آگے بھی ہر باطل کے آگے یہ جماعت سینہ سپر رہے گی۔ زیر مطالعہ کتاب بھی اسی پاکیزہ سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ عزیز القدر مولانا محمد حفیظ الرحمن مصباحی سلمہ ضلع صاحب گنج، ریاست جھارکھنڈ کے رہنے والے ہیں اور عالم اسلام کی عظیم علمی امانت جامعہ اشرفیہ، مبارک پور سے امسال سند فضیلت حاصل کرنے جا رہے ہیں۔ انھوں نے یہاں کے بیدار مغز طلبہ کی قدیم روایت کے مطابق عوام اہل سنت کے لیے عقائد اہل سنت سے متعلق کافی، آسان، کارآمد، دل چسپ اور ضروری معلومات جمع کی ہیں اور اسے کتابی شکل دے کر دستار بندی کے دعوت نامہ کی حیثیت سے بطور تحفہ دینا چاہتے ہیں۔ موصوف کی یہ کاوش کہاں تک کامیاب ہے؟ یہ فیصلہ تو قارئین کی فکر، سنجیدگی اور دقت نظر کرے گی، ہم تو اس اقدام کو نہ صرف تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں بلکہ لائق تقلید سمجھتے ہیں۔ عوام بھائیوں سے گزارش ہے کہ اس قسم کی عمدہ پیش قدمیوں کی قدر دانی کریں کیوں کہ اس قسم کے لوگ ہمارے مستقبل کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی ہمارا مشترکہ فرض۔ ہر باکار آدمی اپنی جگہ قابل قدر ہے، اس کا کام قابل ستائش ہے اور اگر کام میں اخلاص ہے تو ان شاء اللہ عند اللہ بھی ماجور ہے۔ اللہ کریم کی بارگاہ صمد میں دعا ہے کہ مولائے کریم مولانا موصوف کو باعمل اور بافیض بنائے۔ آمین۔

خالد ایوب مصباحی: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

چیف ایڈیٹر: ہندی ماہ نامہ "احساس" جے پور، راجستھان

۲/ مارچ ۲۰۱۵ مطابق ۱۱/ جمادی الاولی ۱۴۳۵

آغازِ باب

ایمان اور اسلام

تمام تعریف اس ذات باری تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں مسلمان بنایااور کروڑ ہا کروڑ احسان کہ اس نے ہمیں امت محمدیہ ﷺ میں پیدا فرماکر بے شمار فضیلتوں سے نوازا، اور بے کراں شکر کہ اس نے ہم اہل سنت و جماعت کو قرآن و حدیث کے مطابق عقائد حقہ کی توفیق بخشی۔

اللہ تعالیٰ کا ہر انسان پر بے پایاں فضل وکرم اور انعام واکرام ہے کہ اس نے انھیں دنیا میں پیدا کیا، زندگی بسر کرنے کے لیے طرح طرح کی نعمتیں اور آسائشیں فراہم کیں، ان نعمتوں میں سب سے افضل واعلیٰ ایمان کی دولت ہے، ایمان کے بغیر ساری آسائشیں ہَوا ہیں اور بس دو دن کا کھلونا، پھر آخرت میں دائمی عذاب۔ تو جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے نوازا ہے وہ یقیناً خوش نصیب ہے کہ وہ دنیاوی فلاح و بہبودی کے ساتھ اخروی سرمدی نعمتوں کی لازوال دولت کا مستحق ہے۔

بلا شبہ ایمان مومن کی سب سے بڑی قیمتی دولت اور سب سے محبوب متاع ہے۔ایک مومن اپنا سب کچھ گنوا سکتا ہے، مگر ایمان سے ہاتھ دھونے کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا، ارشاد ربّانی ہے:" وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ

(سورہ:الحجرات، آیت:۷) **ترجمہ:** جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، بہت معاملوں میں اگر یہ تمھاری خوشی کریں (بات مانیں) تو تم ضرور مشقت میں پڑو، لیکن اللہ نے تمھیں ایمان پیارا کر دیا ہے، اسے تمھارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر، حکم عدولی اور نافرمانی تمھیں ناگوار کر دی ایسے ہی لوگ راہ پر ہیں۔ (کنزالایمان) یعنی مومنین کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ایسا محبوب بنا دیا ہے کہ اب ان کے اندر کفر اور فسق و فجور طاری نہیں ہو سکتا۔ اور جس مومن کی ایسی حالت و کیفیت ہو وہی کامیاب ہے۔ غرض کہ ایمان مومن کا سب سے محبوب اور سب سے قیمتی متاع ہے۔ اسی پر دونوں جہاں کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ لہذا ہم پر ضروری ہے کہ ایمان کی پوری حفاظت کریں۔

ایمان کا لغوی معنی امن اور وثوق کے آتا ہے اور اصطلاحِ شرح میں ایمان کہتے ہیں: "تصدیق بما جاء به النبیﷺ من عندالله". (شرح عقائد، ص:۱۲۶، مجلس برکات) یعنی ان چیزوں کی تصدیق کرنا جنھیں نبی کریم ﷺ نے خدا کی جانب سے لایا ہو۔ دوسرے لفظوں میں ایمان کی یہ تعریف کی جاتی ہے: "التصديق بما علم بالضرورة انه من دين محمدﷺ كالتوحيد والنبوة والبعث والجزاء" (تفسیر بیضاوی، سورہ بقرہ۔ ص:۱۸) یعنی ہر اس چیز کی تصدیق کرنا جس کے بارے میں بداہۃً معلوم ہو کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے دین سے ہے۔ جیسے توحید باری تعالیٰ، نبوت، بعث بعد الموت اور اعمال کی جزا و سزا۔

اسی صفحہ پر ایمان کامل کی تعریف کرتے ہوئے قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ نے یوں فرمایا ہے: "ومجموعه ثلثة أمور: اعتقاد الحق، والاقرار به، العمل بمقتضاه" یعنی ایمان کامل کا مجموعہ تین چیزیں ہیں۔ (۱) دل سے حق کا اعتقاد، (۲) زبان سے اس اعتقاد کا اقرار، (۳) جس پر ایمان لایا ہے اس کے مقتضا پر عمل۔ یہ ایمان کامل کے اجزا ہیں، ورنہ تو ایمان بس دلی تصدیق کو کہتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے زبان سے اقرار بھی ضروری ہے جیسا کہ معتقد میں ہے: "هو التصديق بالقلب واللسان، ويعبر عنه بأنه تصديق بالجنان واقرار باللسان، وهو المنقول عن ابی حنيفة واصحابه." (المعتقد المنتقد، الخاتمہ فی بحث الایمان، ص:۱۹۴، المجمع الاسلامی) **ترجمہ:** ایمان

دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کا نام ہے، یہی امام اعظم اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔
نفس ایمان گھٹتا، بڑھتا نہیں ہے، ہاں کیفیت میں کبھی ایمان قوی ہوتا ہے اور کبھی ضعیف اور کمزور، جیسا کہ انبیا علیہم السلام کا ایمان امتی کے ایمان سے درجوں قوی ہوتا ہے۔

ایمان اور اسلام کے درمیان فرق: ایمان اور اسلام دونوں معنی اور مقصود کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہے، ہاں لغوی اور اعتباری کچھ فرق ہے۔ وہ یہ کہ ایمان کا لغوی معنی محفوظ و مامون ہونا یا دوسرے پر بھروسہ ہونا۔ یہ دونوں معنی دل سے متعلق ہیں۔ اور اسلام: استسلام اور انقیاد یعنی جھکنے کے معنی میں آتا ہے۔ جھکنا اعضاے جوارح اور ظاہر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے علما نے ایمان اور اسلام کے درمیان فرق کیا ہے کہ ایمان دلی تصدیق کو کہتے ہیں، جب کہ اسلام کا اطلاق افعال اور اعمال پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث جبریل میں " ماالایمان؟" کے جواب میں "ان تومن باللہ الخ" یعنی ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وغیرہ پر یقین رکھے۔ اور "ما الاسلام؟ کے جواب میں "ان تعبداللہ" آیا ہے، یعنی اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ تو گویا اسلام کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے، جب کہ ایمان کا تعلق دل سے ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ایمان ایک بنیادی چیز اور اعمال کی جڑ ہے۔ اگر ایمان صحیح اور مضبوط ہے تو اعمال درست، ورنہ ایمان کے بغیر اعمال کا کوئی دام نہیں۔ جیسا کہ بنیاد کے بغیر فضا میں عمارت بنانا، کہ ہوا کا ایک جھوکا آئے تو سارا تہس نہس ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایمان نہیں تو لاکھ سجدہ کرلے، رات دن زمین پر سر پٹک پٹک کر پیشانی کو داغ دار کرلے، کوئی کام نہیں آئیں گے۔ ایک دن ایسا آے گا کہ سارے اعمال منہ پر مار دئے جائیں گے۔ پھر دائمی طور پر کفِ افسوس ملنا پڑے گا۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں، اگر مان گیا.

اس لیے ہم پر ضروری ہے کہ سانس ٹوٹنے سے پہلے ایمان اور اسلام کے بارے میں پوری جان کاری حاصل کر کے عقائد باطلہ سے انحراف کریں اور قرآن و حدیث کے مطابق عقائد حقہ پر گامزن ہوں۔

جنتی فرقہ کون؟

فرمانِ خداوندی اور ارشادِ نبوی یقیناً سرچشمۂ ہدایت ہے۔اس پر ثابت قدمی اور استقامت نجاتِ ابدی اور سعادتِ سرمدی کا ضامن ہے۔اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ ورسول پر ایمان لا کر ثابت قدم رہے گا وہ یقیناً فلاحِ دارین سے ہم کنار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے امّت محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی فضیلتوں سے نوازا ہے اور اس کو خیر امت کے تمغۂ فاخرہ سے سرفراز فرمایا ہے۔خیر القرون اور ان نفوس قدسیہ کے عہد مبارک میں جنھیں مشکوٰہ نبوت سے اکتسابِ فیض کی سعادت حاصل تھی،افتراق اور انتشار کی بنیادیں ناکام رہیں۔لیکن عہد مسعود کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا اور جیسے جیسے زمانۂ نبوت سے دوری ہوتی گئی اور ان قدسی صفات حضرات کا سایہ اٹھتا گیا،ویسے ویسے نت نئے فتنے نمودار ہونے لگے،جس کے نتیجے آج دنیا میں اسلام اور حق کا دعویٰ کرنے والے بہت سے فرقے معرضِ وجود میں آچکے ہیں۔

حدیث پاک ہے: حدثنا الحسين بن حريث أبو عمار،حدثنا الفضل بن موسى عن محمد بن عمرو،عن أبي سلمة عن أبي هريرة : أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال تفرقت اليهود على إحدى وسبعين أو اثنتين وسبعين فرقة والنصارى مثل ذلك وتفترق أمتي علىٰ ثلاث وسبعين فرقة وفي الباب عن سعد و عبد الله بن عمرو و عوف بن مالك قال أبو عيسى حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح۔(جامع ترمذی ابواب الایمان، جلد:دوم،باب افتراق هٰذه الامة،ص:۸۸،مجلسِ برکات)

ترجمہ: یہود ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں،نصاریٰ بھی اتنے فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔بعض لوگوں نے تہتر کی تعداد میں اختلاف کیا ہے،

بعض کے نزدیک اس سے بعینہ ۷۳ کا عدد مراد ہے اور یہی قرینِ قیاس ہے، یہی امام رازی کا قول ہے۔

حضور حافظِ ملّت علامہ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ (بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور) نے اپنے ایک مقالہ 'فرقۂ ناجیہ' میں ۷۳ فرقوں کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا: ”فرق اسلامیہ آٹھ ہیں: (۱)معتزلہ (۲)شیعاہ (۳)خوارج (۴)مرجیۂ (۵)نجاریہ(۶)جبریہ (۷)مشبہ (۸)ناجیہ۔ معتزلہ کے بیس فرقے ہیں، شیعاہ کے بائس، خوارج کے بیس، مرجیہ کے پانچ، نجاریہ کے تین، جبریہ اور مشبہ کا ایک ایک فرقہ، یہ کل بہتر فرقے ہیں اور تہترواں ناجیہ صرف اہلِ سنت و جماعت ہے۔“ آگے فرماتے ہیں: ”آج کل ہندوستان میں جو گمراہ فرقے مثلاً دیوبندی، غیر مقلد، نیچری، قادیانی، وغیرہ ہیں یہ انھیں گمراہ فرقوں کی شاخیں ہیں اور ان کے گندے عقیدے جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہیں۔“ (تہتر میں ایک، ص:۸۸، رضوی کتاب گھر)

حاصلِ کلام یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی "میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی" آج پورے طور پر صادق آرہی ہے۔ بہت سے فرقے آج اپنی جڑ مضبوط کر چکے ہیں، جس کے سبب ہمارے عوام کے لیے اب یہ باعث تشویش بن چکا ہے کہ ہم کس فرقہ کو صحیح مانیں، کیوں کہ یہاں متعدّد فرقے عقائد و معمولات میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، اور سب کا دعویٰ ہے کہ ہم ہی حق پر ہیں، باقی دوسرے فرقے ناحق ہیں، اور سب اپنے اپنے مذہب کی حقانیت پر دلیل بھی دیتے ہیں، سبھی کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں، اللہ کو ایک جانتے ہیں، ہم رسولان عظام علیہم السلام کو حق تسلیم کرتے ہیں، ایسے عالم میں ہمارے بھولے بھالے افراد یہ فیصلہ کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں کہ آخر ان میں سے کون صحیح معنی میں حق پر ہے؟ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ دوسرے کے اخلاق، حسن سلوک اور عبادت و ریاضت کو دیکھ کر ان کی جانب مائل ہوجاتے ہیں اور ان سے مرعوب ہوجاتے ہیں۔ لیکن انھیں گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان میں سے ناجی فرقہ کو جانچنے کا آسان طریقہ عطا فرما دیا ہے: ”حدثنا محمود بن غيلان حدثنا أبو داود الحفرى

عن سفيان الثوری عن عبد الرحمن بن زياد الأفريقی عن عبد الله بن يزيد عن عبد الله بن عمرو قال : قال رسول الله صلی الله عليه و سلم ليأتين علی أمتی ما أتی علی بنی إسرائيل حذو النعل بالنعل حتی إن كان منهم من أتی أمه علانية لكان فی أمتی من يصنع ذلك وإن بنی إسرائيل تفرقت علی ثنتين وسبعين ملة وتفترق أمتی علی ثلاث وسبعين ملة كلهم فی النار إلا ملة واحدة قالوا ومن هی يا رسول الله قال ما أنا عليه وأصحابی۔"(جامع الترمذی،جلد:دوم،باب افتراق هٰذه الامة،ص:۸۹،مجلسِ برکات)

ترجمہ: میری امت بنی اسرائیل جیسی گناہ کرے گی۔ بنی اسرئیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ایک فرقہ کے علاوہ سب جہنمی ہوں گے ۔صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ !وہ جنتی فرقہ کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے جواب دیاکہ جنتی فرقہ وہ جماعت ہے جو اس راہ کو اختیار کرے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس حدیث پاک میں محسنِ انسانیت سید الانبیا ﷺ نے ہمیں ان فرقوں میں سے ایک ناجی فرقہ کو چھانٹ کر نکالنے کا ایک ایسا آسان نسخہ عطا فرما دیا "ماانا علیہ و اصحابی"(میری اور میرے صحابہ کی راہ پر چلنے والا فرقہ جنتی ہے۔) اس میعار اور نسخہ کوبروے کارلاکر ہم آسانی سے ان فرقوں کو جانچ سکتے ہیں اور کھرے کھوٹے میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ ہمیں ان کے اعمال واخلاق سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے،بلکہ ان کی گہرائی میں اتر کران کے عقیدے کی تحقیق کرنی چاہیئے،اگر رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اورھدایات کے مطابق اور صحابہ کرام رضِی اللہ عنہم کے عقائد کے مطابق ان کے عقائد ہیں تو ٹھیک ہے،ورنہ ان سے قطع تعلق کرکے ان اسلاف کرام کا دامن تھامنا چاہیئے جن کے عقیدے اوراعمال رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضِی اللہ عنہم کے اعمال کے مطابق ہوں۔

ایک مسلمان کو مندرجہ ذیل مقدمات کا جان لینا ضروری ہے۔

(۱) جو بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت دل سے مان کر زبان سے ان کا اقرار کرے۔

(۲) تمام ضروریات دین کا اقرار کرے، ساتھ ہی ان چیزوں سے باز رہے جو توحید ورسالت کے منافی ہوں اور اللہ ورسول کے ارشادات کے مخالف ہوں۔

(۳) خدا کا کلام قرآن پاک اور نبی کریم ﷺ سے ثابت احادیث کریمہ پر یوں ایمان لائے کہ ان کا کوئی جز نہ چھوٹے اور نہ ہی کسی جز کا انکار کرے۔

(۴) آیاتِ قرآنی اوراحادیث نبویہ ﷺ کا صحیح مطلب وہی ہے، جو حضور ﷺ اورآپ کے صحابہ رضِی اللہ عنہم نے بیان فرمایا، ان کے بیان کردہ تفسیر اور معانی کے خلاف کوئی غیر مناسب معنیٰ بیان کرنا، ناجی فرقہ کے دائرہ سے خارج ہو جانا ہے۔

یہ جاننا بھی نہایت ضروری ہے کہ ناجی فرقہ ایک ہی ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضِی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے مطابق ناجی فرقہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضِی اللہ عنہم کی سنت پر چلنے والے، یعنی اہل سنت ہے۔ اور حضرت انس ابن مالک رضِی اللہ عنہ کی روایت "کلھا فی النار الاملة واحدة،وھی الجماعة" (ابن ماجه) کے مطابق ناجی فرقہ وہ ہے جو جماعت اور سواد اعظم کے ساتھ ہو۔ یعنی جماعت والے۔ اب اگر دونوں روایتوں (’ما انا علیه واصحابی‘ بمعنی اہل سنت اور ’وھی الجماعة‘) کو آپس میں ملادیں، تو اس کا مجموعہ ہوگا "اہل السنۃ والجماعۃ"۔ تو گویا حدیث پاک کی روشنی میں اہل سنت وجماعت ہی ناجی فرقہ ہے، باقی دوسرے ناری۔ حضرت غوث پاک رضِی اللہ عنہ اپنی کتاب ’غنیۃ الطالبین‘ (ص:۸۵) میں فرماتے ہیں: "اما الفرقة الناجیة فھی اھل السنة والجماعة"، یعنی اہل سنت وجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے۔

اہل سنت وجماعت کا ناجی فرقہ ہونا صرف نام کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ تمام

ضروریاتِ دین کو ماننے اور قرآن و احادیث کریمہ کے ایک ایک جزکی تصدیق اور اس پر عمل کرنے کے سبب یہ ناجی فرقہ ہے۔اور ہم اہلِ سنت کا دعویٰ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت اور کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں ہے کہ جس پر ہم عمل نہ کرتے ہوں۔ہاں جن آیات اور احادیث میں بظاہر تعارض ہے ان میں ہم مناسب تطبیق یا ترجیح دیتے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو قرآن و حدیث پر مکمل ایمان رکھتا ہو،ایک آیت پر عمل کرتے ہیں، تو دوسری آیت کو چھوڑتے ہیں، یا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے طریقے اور عقیدے سے انحراف کرتے ہیں، جیسا کہ کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کے لیے علم غیب عطائی کا انکار کرکے، صریح آیت کریمہ:"وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ"(النساء، آیت:۱۱۳) اور"وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ"(التکویر،آیت:۲۴) اور کثیر احادیث کریمہ کا انکار کرتے ہیں۔اسی طرح کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی حیات بعد الممات کا انکار کرکے حدیث پاک "ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجسادالانبیاء"(سنن ابن ماجه ،باب ذکروفاقه ودفنه ﷺ ص:۱۱۸) کا انکار کرتے ہیں۔کچھ لوگ ختمِ نبوت یعنی نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرکے آیت کریمہ"وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔(الاحزاب،آیت:۴۰) کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرکے بہت سے لوگ آیت کریمہ:"لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۔"(الفتح، آیت:۹) کا انکار کرتے ہیں۔

"اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ"(سورہ:ابقرۃ،آیت:۸۵)

ترجمہ: توکیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو، تو جو تم میں ایسا کرے اس کا بدلہ دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت میں سخت تر عذاب کی طرف

پھیرے جائیں گے اور اللہ تمھارے اعمال سے بے خبر نہیں۔(کنزالایمان)

مختصر یہ کہ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ و رسول کے سارے احکام پر عمل کرے، پھر یہ اعمال اسی وقت کام آئیں گے ،جب اعمال کی بنیاد یعنی ایمان اور عقیدے درست ہوں، ورنہ ہوا میں عمارت بناکر دکھانا، وقتی طور پر تو ہو سکتا ہے، لیکن ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور ان کے اعمال ایسے برباد ہو جائیں گے کہ انھیں شعور اور احساس تک نہ ہوگا۔"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوٰتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمٰلُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ"(سورۃالحجرات، آیت:۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمھارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

عقائد کی روشنی میں فرقۂ ناجیہ کا تعارف

غیب داں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان میں سے ایک فرقہ جنتی ہوگا، اور اس فرقۂ ناجیہ کی علامت آپ ﷺ نے یہ بتائی تھی کہ وہ فرقہ میری اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت پر چلے گا، اس معیار کی روشنی میں تحقیق یہ ہے کہ وہ ناجی فرقہ اہل سنت و جماعت ہی ہے، جس پر سلف صالحین اور سواد اعظم قائم رہے اور یہی ایک مذہب ہے جو بدعات (سیئہ) اور خرافات سے خالی ہے۔ ان کے عقائد مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ موجود اور قدیم ہے، یعنی وہ ازل سے ہے اور اس کے لیے فنا نہیں۔ (۲) وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۴) اللہ تعالیٰ صفات کمالیہ کا جامع، علم، قدرت اور تمام صفات جلالیہ کے ساتھ متّصف ہے۔ (۵) اللہ تعالیٰ کے لیے شکل و صورت، حیز اور جہت اور نقل و حرکت نہیں۔ (۶) جہل و کذب اور صفات نقص میں سے کوئی صفت خدا کے لیے ممکن نہیں ہے۔ (۷) وہ غنی ہے اور کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں۔ (۸) وہ جو چاہے کرے، اس پر کوئی چیز واجب نہیں، اس کے کسی فعل یا حکم کو ظلم، جور نہیں کہا جا سکتا۔ وہ ہماری کسی نیکی پر ثواب دے تو اس کا فضل ہے اور اگر عذاب دے تو یہ اس کا عدل ہے، پھر چاہے تو کسی گنہگار کو بھی بخش دے۔ (۹) شفاعت حق ہے۔ (۱۰) اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے گی، مگر جو اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ کا انکار کرے، اس کی ذات و صفات میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائے، نبوت کا انکار کرے یا اس چیز کا انکار کرے جس کا نبی کریم ﷺ کے ذریعہ لایا جانا ضرورۃً معلوم ہو یا کسی اجماعی ضروری مسئلہ کا انکار کرے، تو ایسی صورتوں میں تکفیر کی جائے گی۔ اگر کسی دوسری چیز میں اہلِ حق کے خلاف ہے تو وہ بدمذہب اور گمراہ قرار پائے گا کافر نہیں۔ (۱۱) نبی کریم ﷺ کے بعد امام برحق حضرت ابو بکر صدیق، پھر حضرت عمر، پھر عثمان اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ (ملخصاً: حدوث الفتن فی جھاد اعیان السنن، ص: ۴۰۔۴۱)

عقائد متعلقہ ذات باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک جذبۂ عبودیت عطافرمایا ہے، جس کے سبب ہر ایک کے ذہن و دماغ میں کسی عظیم بارگاہ کے سامنے اپنا سرِ نیاز خم کرنے کی تڑپ ہوتی ہے۔لیکن یہ سرنیاز کوئی عظیم اور سب سے افضل واعلیٰ مقام چاہتا ہے، جسے وہ اپنا معبود تسلیم کرے، جسے وہ اپنا ماویٰ و ملجیٰ سمجھے، جس کی بارگاہ میں کسی چیز کی کمی نہ ہو، جس کی ہر شئ پر حکومت ہو، جو ہر طرح کے عیوب سے پاک اور منزہ ہو، جو سب سے بڑا اور سب سے فائق وبرتر ہو، اس کا کوئی ہمسر نہ ہو۔ان چیزوں سے متّصف اگر کوئی ہے تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اس کے آگے سرنیاز خم کیا جائے، اس کے احکام پر عقل کا گھوڑا دوڑائے بغیر عمل کیا جائے۔

ایمان کا سب سے پہلا رکن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تسلیم کرے، کہ وہ موجود ہے، ازلی اور ابدی ہے، یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔وہی ساری چیزوں کا خالق ومالک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود پر بے شمار دلیلیں پیش کی ہیں، جگہ جگہ قرآن میں بندوں کو اپنے خالق کے وجود کی جانب توجہ دلائی ہے۔:"اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ.ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ" (سورہ:واقعۃ،آیت :۵۹) تو بھلا دیکھو تو وہ منی جو گراتے ہو، کیا تم اس کا آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں؟(کنزالایمان) یہ استفہام برائے انکار ہے، یعنی منی کے قطرات کو اللہ تعالیٰ ہی ایک آدمی بناتا ہے۔گویا انسان کی تخلیق باری تعالیٰ کی قدرت اور وجود پر بیّن ثبوت ہے، انسان خود اپنی تخلیق میں غور کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا پتہ چل جائے گا، کہ یقیناً ان قطرات سے اللہ تعالیٰ ہی تخلیق بخشتا ہے، کسی انسان کی قدرت نہیں کہ وہ

منی کے قطرات سے آدمی پیدا کر دے۔ تو ضرور کوئی ایسی قدرت والا ہے جس نے ایک معمولی پانی کو شکل وصورت عطا کی، اس میں روح پھونکی، اسے عقل عطا کی اور چلتا پھرتا انسان بنادیا۔

"اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ" (البقرة، آیت:۱۶۴)

ترجمہ: بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات و دن کا بدلتے آنا، کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلادیا، زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے، ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے، ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں.

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جو نشانیاں اور وجود باری تعالیٰ پر جو دلیلیں پیش کی ہیں، ان میں معمولی شعور رکھنے والا بھی غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود کو جان سکتا ہے۔ جو بھی آسمان وزمین کے عجائبات پر نظر ڈالے، حیوانات اور نباتات کی تخلیق کا گہرائی سے مشاہدہ کرے، دنیا میں موجود کروڑوں مرد و عورت، جن کے رنگ و روپ ایک دوسرے سے مختلف، طرح طرح کے جانور اور کیڑے مکوڑے، بلکہ خود اپنے وجود پر غور وفکر کرے تو وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یقیناً ان عجیب وغریب اور مرتب ومحکم چیزوں کا کوئی نہ کوئی ضرور بنانے والا ہے، اس نظام کو ضرور کوئی چلانے والا ہے، اور وہ وہی ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ ان واضح دلائل اور نشانیوں کے باوجود کوئی خدا کے وجود پر اور صانع حقیقی کے واجب الوجود ہونے پر شک نہیں کر سکتا: " اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ "(ابراھیم ،آیت:۱۰) کیا اللہ میں شک ہے، آسمان اور زمین کا بنانے والا؟ (کنزالایمان)

مذکورہ آیات کریمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود

پر دو چیزوں سے استدلال کرنے کی جانب رہنمائی کی ہے۔ایک مشاہدہ اور تجربات سے اور دوسرا اپنی عقل میں غور وفکر کرکے۔اس کے لیے قرآن میں جس قدر شواہد اور دلائل پیش کیے گیے ہیں وہ صانع کے وجود پر استدلال کے لیے کافی اور وافی ہیں۔اب ہم یہاں اسلاف کرام کی تقلید کرتے ہوئے بطورِ تاکید ایک دلیلِ عقلی بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قدیم اورواجب الوجود ہے: یہ ایک بدیہی امر ہے کہ دنیا کی ساری چیزیں حادث ہیں، یعنی وہ ہمیشہ سے نہیں، بلکہ اس کو کسی نے پیدا کیا، اس کے بعد وجود میں آیا۔ پھر یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ کوئی چیز بغیر سبب کے وجود میں نہیں آتی۔جب کوئی چیز بغیر سبب اور محرّک کے وجود میں نہیں آسکتی، تو ہر شئ کے لیے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہو گا۔اور وہ سبب اخیر میں کوئی واجب الوجود اور قدیم ہی ہو گا۔یعنی جو ہمیشہ سے ہو اور جس کے لیے فنا ناممکن ہو۔کیوں کہ وہ سبب اخیر بھی اگر حادث اور ممکن ہو تو اس کا بھی کوئی پیدا کر نے والا ہو گا۔ اس طرح سے تسلسل لازم آئے گا، جو کہ باطل ہے۔تو ثابت ہو گیا کہ وہ صانع (اللہ تعالیٰ) قدیم ہے۔

پھر جس طرح کسی چیز کا وجود میں آنا کسی سبب کا محتاج ہو تا ہے، اسی طرح کسی کا معدوم ہو نا بھی سبب کا محتاج ہے۔اور ابھی ثابت ہو گیا کہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے زیر قدرت ہے۔کیوں کہ وہ قدیم اور وہی سب کا خالق ہے، تو پھر کوئی چیز اس کا مقابل نہیں جو اس کے معدوم کرنے کا سبب بن سکے۔تو جب اللہ تعالیٰ کے عدم کا کوئی سبب نہیں تو وہ کبھی معدوم بھی نہیں ہو گا اور ہمیشہ رہے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا حادث اور ممکن ہے، اس کا کوئی صانع (پیدا کرنے والا) ضرور ہے۔اور وہ صانع اللہ تعالیٰ ہی ہے جو واجب الوجود ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں، لیکن وہی ساری چیزوں کو پیدا کرنے والا، وہی دنیا کا نظام چلاتا ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ومالک ہے۔اللہ تعالیٰ حدوث اور اس کے لوازمات سے پاک ہے۔جیسے کسی حیز اور مکان میں ہونا یا کسی جہت میں ہونا، اسی طرح جسم، صورت، حد، تعدد، تبعض، تجزی، ترکیب، احاطہ، زمانے کا ترتب، ماہیت اور کیفیت ان چیزوں سے بھی پاک

ہے، کیوں کہ یہ سب چیزیں یا تو خود حادث ہیں یا حادث کی صفت ہونے کی وجہ سے حدوث کو مستلزم ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک اور منزہ ہے۔ کیوں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر یہ حادث چیزیں صادق آئیں، تو اللہ تعالیٰ کا بھی حادث ہونا لازم آئے گا، اور پہلے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ حادث نہیں، قدیم ہے۔

اب رہی بات آیت کریمہ "ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" (سورہ: الاعراف، آیت: ۵۴) یعنی پھر اللہ تعالیٰ عرش پر استوا فرمایا۔ اسی طرح آیت کریمہ ہے: "ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ" (سورہ: حٰم السجدہ، آیت: ۱۱) پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا۔ ان آیتوں کے ظاہری معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ مکان و جہت سے پاک نہیں، جب کہ گزشتہ بیان سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے۔ تو ان جیسی آیات کریمہ کی اہل حق نے یوں تاویل کی ہے کہ استواء بمعنی احاطۂ علم اور غلبہ و قدرت ہے۔ اب آیت کا مطلب ہوگا کہ عرش اور آسمان اللہ تعالیٰ کے زیر قدرت اور احاطۂ علم میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ صورت، مقدار اور جہت (دائیں، بائیں، اوپر، نیچے وغیرہ میں ہونے) سے منزہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔" (انعام، آیت: ۱۰۳) آنکھیں اسے نہیں پا سکتیں اور اللہ آنکھوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی صورت، مقدار اور جہات جسم کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، کیوں کہ جسم کے لیے حیز اور مکان ضروری ہے اور حیز و مکان میں ہوتے وقت یا تو ساکن ہوگا یا متحرک، یہ دونوں حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ صورت، مقدار اور جہات سے منزہ ہے۔

اب رہا یہ عقیدہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا، جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے: "وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ۔ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔" (سورہ: القیمۃ، آیت: ۲۲) یعنی قیامت کے دن کچھ خوش نصیب ایسے ہوں گے کہ وہ اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے۔ دیدار کے لیے جس چیز کا دیدار ہو وہ عرض یا جوہر ہوتا ہے، سامنے ہوتا ہے، کسی مکان میں ہوتا ہے، وغیرہ۔ لیکن یہ سب دنیا کا حال ہے، آخرت کے حال کو دنیا کے حال پر قیاس کرنا

درست نہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت وسیع ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ تو یہ بھی اس کے لیے کوئی مشکل نہیں کہ وہ جہت، حیز اور مکان، شکل وصورت کے بغیر اپنے نیک بندوں کو دیدار سے سرفراز فرمائے۔ یہی اہلِ حق کا عقیدہ ہے کہ خدا کا دیدار تو ہوگا، لیکن دیدار کی کیفیت خدا ہی کو معلوم۔

اب رہا یہ سوال کہ پہلی آیت ''لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصٰرُ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا دیدار نہیں ہو پائے گا، جب کہ گذشتہ آیت کے تحت معلوم ہوا کہ آخرت میں خدا کا دیدار ہوگا۔ تو اس کا جواب یا تو یہ ہے کہ دنیا میں کسی امتی کو ظاہر چشم سے دیدار خداوندی نہیں ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ''تدرک'' بمعنی ''تحیط'' ہے، یعنی کوئی آنکھ خدا کا احاطہ نہیں کر سکتی اور یہ صحیح ہے کہ خدا کے علم وقدرت وغیرہ بہت وسیع ہیں، اس کا احاطہ ناممکن۔

مذکورہ آیت کریمہ اور احادیث کثیرہ سے دیدار الٰہی ثابت ہے۔ ''انکم سترون ربکم کما ترون القمر لیلۃ البدر۔ وھو مشھور رواہ احد وعشرون من اکابر الصحابۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین''۔ (شرح عقائد، بحث رویۃ اللہ، ص:۹۰، مجلس برکات) یعنی عنقریب تم چودھویں رات میں چاند دیکھنے کی طرح صاف خدا کا دیدار کروگے۔ یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ: اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات ازلیہ ہیں، جو اس کے لیے ذاتی طور پر ازل سے ثابت ہیں۔ (۱) حیات (۲) علم (۳) قدرت (۴) سمع (۵) بصر (۶) ارادہ و مشیت (۷) کلام (۸) فعل و تخلیق (۹) ترزیق۔ یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے لیکن اس کے لیے آنکھ نہیں، سنتا ہے لیکن وہ کان سے پاک ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے، لیکن اس کا کلام آواز سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ زبان، دل اور تمام اعضائے جوارح سے پاک ہے۔ اس کا علم ہر شئ کو محیط ہے۔ وہ تمام جزئیات، کلیات، موجودات ومعدومات اور ممکنات ومحالات کو ذاتی طور پر ازل سے جانتا ہے۔

حاصلِ کلام: اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم اور واجب الوجود ہے، اس کی ذات کے ساتھ اس کی صفات بھی قدیم ہیں، وہ حادث نہیں اور نہ کوئی حادث چیز اس کے ساتھ پائی

جا سکتی ہے۔اس کے علاوہ عالم میں کوئی شئ قدیم نہیں ،سب حادث ہیں اور اپنے وجود و بقا میں ذاتِ باری تعالیٰ کا محتاج ہے۔اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں،اس کے افعال اور ارادے کا کوئی سبب اور غرض نہیں۔وہ جو چاہے،جب چاہے ایک لمحہ میں کردے،وہ ہر چیز پر قادر ہے۔لیکن جو چیز محال ہے اور خدا کی شایانِ شان نہیں وہ قدرتِ الٰہیہ سے خارج ہے۔ان چیزوں کا قدرت الٰہی سے خارج ہونے کے سبب خدا کی قدرت میں کمی نہیں آئے گی،بلکہ یہ اس شئ کا نقص ہے کہ وہ قدرتِ الٰہی میں داخل نہیں۔جیسے دوسرا خدا بنانا،یا فنائے باری تعالیٰ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ بولنا ناممکن: اللہ تعالیٰ ہر طرح کے عیوب اور نقائص سے پاک ہے،کسی عیب یا نقص سے خدا کا متّصف ہونا ناممکن ہے۔جھوٹ بولنا ایک عیب ہے،ہر آدمی جھوٹ کو عیب سمجھتا ہے،ایک بے دین بھی جھوٹ کو قبیح کہتا ہے۔تو جب جھوٹ بولنا ایک مسلّمہ عیب ہے،تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا ہی محال ہے،جیساکہ چوری کرنا،زنا کرنا،دھوکا دینا،غیبت کرنا،چغلی کھانا وغیرہ۔تو جس طرح زنا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے،اسی طرح جھوٹ بولنا بھی محال ہے۔خدا کے لیے جھوٹ کو ممکن بتانا کفر ہے اور خدا کو عیبی بتانا ہے،پھر خدا کے لیے جھوٹ کے امکان کو ثابت کرتے ہوئے یہ کہنا کہ جب بندہ اس پر قادر ہے،تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر قادر ہوگا،ورنہ اس کی قدرت میں کمی لازم آے گی،یہ محض بے دینی اور کم عقلی ہے۔کیوں کہ اگر ایسا ہی ہو تو بندے کے سارے کام کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ماننا پڑے گا،تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ بندہ زنا کر سکتا ہے تو (نعوذ باللہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ بھی زنا کر سکتا ہے،اسی طرح بندہ چوری کر سکتا ہے،کسی کو ظلماً مار کاٹ سکتا ہے،تو اللہ تعالیٰ کے لیے بھی یہ سب ممکن ہونا چاہیئے۔اگر وہ خدا کے لیے زنا وغیرہ کے امکان کا انکار کرے تو ان پر بھی ان کے قول کے مطابق خدا کی قدرت میں کمی لازم آے گی۔

حاصل یہ ہے کہ خدا کے لیے کوئی بھی عیب یا نقص محال ہے اور کسی عیب دار چیز کا خدا کی قدرت سے نکلنے کے سبب اس کی قدرت میں کوئی کمی لازم نہیں آئے گی۔

توحیدِ باری تعالیٰ

توحیدِ باری تعالیٰ ایمان اور اسلام کا بنیادی جز ہے۔ اسلام کا سب سے پہلا زینہ یہی توحیدِ باری تعالیٰ ہے، اس زینہ سے ہر مسلمان کو گذرنا پڑتا ہے۔ کلمۂ توحید "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" دو جز پر مشتمل ہے، توحید اور سالت۔ اس کا پہلا جز اس اعتبار سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی کو معبود سمجھ کر اس کے سامنے سر جھکا تا ہے۔ لیکن اکثر متعدّد قوتوں کو معبود تسلیم کرکے ان کے سامنے اپنا سر ٹیکتے ہیں۔ اس لیے ان مذاہب باطلہ سے انحراف کے لیے توحید کو (ایک معبود ماننا) اسلام میں سب سے پہلا زینہ قرار دیا گیا ہے۔

توحید باری تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک اور تنہا ہے، وہی عبادت کا مستحق ہے۔ وہ غنی اور بے نیاز ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، اس کی ذات وصفات میں اس کا کوئی شریک نہیں: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ .اَللّٰهُ الصَّمَدُ .لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ. وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" (سورہ:اخلاص، پ:۳۰) تم فرماؤ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد، اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔ (کنزالایمان)

اگر ہم اپنے گردو پیش کا ملاحظہ کریں، نظام عالم میں غور کریں تو یہ واضح ہو جائے گا کہ یقیناً اس نظام عالم کا کوئی ایک ہی صانع ہے، جو اس نظام کو پر سکون انداز میں چلا رہا ہے۔ اسی کی جانب توجہ دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، " لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا"، (سورہ:الانبیاء، آیت:۲۲) اسی آیت کے تحت مدارک التنزیل میں ہے، "المعنی لو کان یدبر أمر السماوات والأرض اٰلهة شتیٰ غیر الواحد الذی هو فاطرهما

لخرجتالوجودالتمانع۔"(مدارك التنزيل وحقائق التاويل،سورہ:الانبیا، آیت:۱۵۹)

ترجمہ: آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ اگر آسمان وزمین کے امور کا ایک سے زیادہ معبود انتظام اور تدبیر کرتے تو یہ بگڑ جاتے تمانع کی وجہ سے۔

تمانع کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو روکے۔مذکورہ آیت کریمہ کے تحت تمانع یوں ثابت ہوگا کہ اگر دنیا کے امور کا مدبرّ ایک سے زائد مثلا دو خدا ہو جائے تو جہاں یہ ممکن ہے کہ دونوں میں اتفاق رہے،وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کے ارادے مختلف ہو جائے، مثلاایک چاہے سورج چلے اور دوسرا چاہے کہ سورج رُکا رہے۔چلنا اور رکنا دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہے،توممکن نہیں ہے کہ دونوں بیک وقت ثابت ہو جائے یعنی سورج چلے اور رُکا بھی رہے،کیوں کہ بیک وقت اجتماع ضدین محال ہے۔اب ایسی حالت میں دوصورتیں نکلتی ہیں،ایک یہ ہے کہ دونوں کا ارادہ ثابت نہ ہواور دوسرا یہ کہ دونوں کا ارادہ تو ثابت ہو،لیکن دوسرے کا ارادہ اور مراد ثابت نہ ہو،پہلی صورت میں خدا کا عاجز ہونا لازم آئے گا،اور جو عاجز ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا،اسی طرح دوسری صورت میں دوسرے کا خدا ہونا باطل ہو جائے گا،تواب ثابت ہو جائے گا کہ کائنات کا نظام چلانے والا بس وہی ایک اللہ تعالیٰ ہے۔

تمانع کی ایک ظاہری مثال یہ ہے کہ دنیا میں کسی ملک کا حاکم دو نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک ملک میں اگر دو حاکم ہو جائے تو فساد ہو جائے گا،کیوں کہ ایک شخص چاہے گا میرے حکم کے مطابق شہر میں کام ہو اور دوسرا کہے گا کہ نہیں، اس کے حکم کے مطابق سارے امور انجام پائے۔کیوں کہ ہم بھی ایک مالک اور ایک حاکم ہیں،ہر بات میں دوسرے کی اتباع کیوں کریں اس طرح سے اگر ایک بلڈنگ کے تحت دونوں میں اختلاف ہو،مثلاًایک کہے "یہ پرانی عمارت ہے،اسے منہدم کر دی جائے" اور دوسرا کہے "نہیں،یہ اگلوں کی نشانی ہے،اسے باقی رکھی جائے۔" اس طرح دونوں میں اختلاف کے نتیجہ میں کوئی کام نہ بن

پائے گا۔

یہ دنیا کے ایک چھوٹے ملک کا حال ہے، تو اس بادشاہ کے سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہو گا کہ جس کی بادشاہت پوری دنیا میں ہو، اگر اس کے ساتھ کوئی اس جیسا بادشاہ ہو جائے، تو کیا کوئی دوسرے کی بات مانے گا؟ پھر اس بادشاہ کے سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہو گا کہ جس کی بادشاہت زمین و آسمان، شجر و حجر، شمس و قمر، اور ذرہ ذرہ میں ہو، اس کے ساتھ اسی جیسا کوئی دوسرا بادشاہ ہو جائے، تو کیا کوئی دوسرے کے زیر اثر رہے گا؟ جب کہ جو خدا ہوتا ہے وہ بے انتہا بڑائی کے ساتھ متّصف ہوتا ہے۔ تو ہرگز کوئی نہیں چاہے گا کہ دوسرے کی بات مانتا رہے اور جب دوسرے کی بات نہیں مانے گا اور سب چاہے گا کہ اس کا اپنا حکم چلے، تو دونوں میں اختلاف ہو جائے گا اور اس اختلاف کے نتیجہ دنیا میں فساد ہو جائے گا۔ دنیا کا نظام باقی نہیں رہ جائے گا۔ جب کہ دنیا جیسے کل تھی ویسے آج بھی پورے امن و سکون کے ساتھ اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے۔ سورج روزانہ مشرق سے چلتا ہوا مغرب میں ڈوبتا ہے، وہی شام و سحر۔

غرض کہ دنیا کے نظام میں کوئی فساد نہیں ہے اور جب دنیا کے نظام میں کوئی فساد نہیں تو معلوم ہوا کہ دو خدا نہیں ہے۔ کیوں کہ دو خدا ہوتا تو فساد ضرور ہوتا۔ اور جب دنیاوی نظام میں فساد نہیں تو دو خدا نہیں ہے، بلکہ ایک ہی خدا ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے، جو اس دنیا کا تنہا خالق و مالک اور عالم کی تدبیر فرمانے والا ہے۔

شرک کیا ہے، اور مشرک کون؟

خدائے وحدہ لاشریک لہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے، وہ مستغنی و بے نیاز ہے، اس کی ذات اور صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں: " قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۔وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔" (سورۂ اخلاص، پ:۳۰) یعنی اللہ تعالی ایک ہے، بے نیاز ہے اس کا نہ کوئی لڑکا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ خدا کا شریک ہونا تو بہت دور کی بات، اس کی کسی صفت کے کروڑواں حصہ کا بھی کوئی حامل نہیں ہو سکتا۔

شرک: ایک کو دوسرے کے ساتھ شامل کرنے کو شرک کہتے ہیں۔ اسی سے شریک صفت کا صیغہ ہے اور مُشرِک (اسم فاعل) شرک کرنے اور برابر ٹھہرانے والے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاحِ شرع میں 'شرک': خدا کی ذات یا صفات میں کسی کو برابر ماننا۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا نہایت ہی قبیح ہے، جس پر کافی وعیدیں آئی ہیں۔ نیز یہ عقل و نقل کے خلاف ہے، کسی عاقل کی شان نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالی کا کسی کو شریک ٹھہرائے اور کوئی مسلمان کبھی بھی خدا کی شان میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکتا۔

بلا شبہ ہم اہلِ سنت و جماعت اللہ تعالی کو ایک مانتے ہیں اور کسی مخلوق کو (نبی ہو، یا ولی یا کوئی فرشتہ) ہرگز خدا کا شریک نہیں گمان کرتے۔ اللہ تعالی نے جس کو جو مقام دیا ہے وہیں تک محدود رکھتے ہیں، اس حد سے بڑھا کر ہم شریکِ باری تعالیٰ تک نہیں پہنچتے۔ لیکن کچھ بد عقیدے غیر مقلدین خود خدا کی شان میں گستاخیاں کرکے اور اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا کر توحید کا دم بھرتے ہیں اور دوسرے کے لیے شرک، شرک کی رٹ لگاتے ہیں۔ خدا کی

شان کبریائی اور شرک کا معنیٰ سمجھے بغیر عقائدِ صحیحہ کے حامل اہلِ سنت و جماعت اور سوادِ اعظم کو مشرک ٹھہرانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ علم غیب، توسل، شفاعت اور مقربانِ بارگاہ سے استعانت وغیرہ کو شرک کہنے میں ایک دم نہیں چکتے، جب کہ خدا کی شانِ عظمت بہت بلند وبالا ہے۔

ائمہ کرام اور علماے امت کی صراحت سے شرک کی یہ تعریف سامنے آتی ہے کہ جو شخص مخلوق میں کسی کو مستحق عبادت گمان کرے، واجب الوجود مانے یا اس کو وجود یا کسی صفت میں مستقل بالذات تصور کرے وہ مشرک ہے۔ اس تعریف میں تین چیزیں ہیں: عبادت کا مستحق، واجب الوجود، کسی صفت میں مستقل بالذات۔ واجب الوجود کے تعلق سے پوری بحث گذر چکی۔ پہلی اور تیسری چیز کے متعلق ہم یہاں بحث کریں گے۔

(۱)عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، کسی مخلوق کو مستحقِ عبادت سمجھنا شرک ہے۔ اب ہمیں عبادت کو سمجھنا چاہیے کہ عبادت کیا چیز ہے۔ قاضی ناصر الدین بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "والعبادة أقصى غاية الخضوع و التذلل."(تفسیر بیضاوی، ص:۸ ،مکتبۃ اصح المطابع دہلی)

یعنی عبادت فروتنی اور تابعداری کی آخری حد ہے، جیساکہ سجدہ کی حالت، سجدہ کے علاوہ نماز کے دیگر ارکان، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ میں یہ چیز یعنی انتہائی تواضع ظاہری طور پر نہیں سمجھ میں آتی، بلکہ دلی طور پر جھکاؤ اور تواضع ہوتا ہے۔ دلی جھکاؤ ایک باطنی چیز ہے اور باطنی چیزیں نیت پر موقوف ہوتی ہیں۔ تو اگر نماز، روزہ حتیٰ کہ سجدہ دلی جھکاؤ اور نیتِ عبادت کے ساتھ ہو تو عبادت ہے، ورنہ یہ چیزیں عبادت نہیں ہوں گی۔ حدیث پاک ہے: "إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ الخ (بخاری، جلد اول، کتاب بدء الوحی، ص:۲، مجلس برکات) اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے، بالخصوص عبادات مقصودہ کا دارو مدار نیت پر ہے۔ اگر ثواب اور عبادت کی نیت نہیں ہے تو یہ اعمال جھکنا اور اٹھنا، بیٹھنا، سفر کرنا ہوں گے، عبادت نہیں ہوں گے۔

آیت کریمہ ہے :" وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ

اِبۡلِیۡسَ اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ۔" (سورہ بقرہ، آیت:۳۴) جب ہم نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا تو سوائے ابلیس کے سارے فرشتوں نے اُدم (علیہ السلام) کو سجدہ کیا اور ابلیس کافر تھا۔ آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا، تو اگر مطلقاً سجدہ کرنا عبادت ہوتا، تو ہرگز ایک مخلوق (اُدم علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیتا، کیوں کہ غیر اللہ کی عبادت شرک ہے تو معلوم ہوا کہ سجدہ جو انتہائی تواضع کا نام ہے وہ بھی بغیر نیتِ عبادت کے عبادت نہیں، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا (تفسیر بیضاوی، ص:۶۴۳) لیکن انہوں نے تعظیم کے ارادہ سے سجدہ کیا تھا، یوسف علیہ السلام کو معبود سمجھ کر سجدہ نہیں کیا تھا، اس لیے انھیں مشرک نہیں قرار دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی کسی مخلوق کے سامنے تعظیم کے ساتھ کھڑا رہے، تعظیم کے لیے جھکے، حتی کہ سجدہ بھی کرلے، لیکن اسے معبود سمجھ کر عبادت کی نیت سے ایسا نہ کرے، تو عبادت نہیں، اور ایسا کرنے والا شریعت مطہرہ کے نزدیک مشرک نہیں قرار دیا جائے گا۔ ہاں شریعت محمدیہ ﷺ میں سجدۂ تعظیم کے حرام ہونے کی وجہ سے سجدہ کرنے پر وہ شخص حرام کا مرتکب ہوگا، جس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

اس بیان سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ تعظیم کے ارادہ سے کسی کے سامنے کھڑا ہونا اور اولیاءاللہ کے مزاروں پر حاضری دینا وغیرہ عبادت نہیں ہے، ایسا کرنے والا مشرک نہیں ہوگا، تعظیم اور عبادت کے درمیان بہت فرق ہے۔ اس فرق کو سمجھے بغیر ہر چیز کو عبادت اور شرک کہہ دینا بہت بڑی جہالت ہے اور اہل حق پر بہتان ہے۔

شرک کی ایک نوع یہ ہے کہ اللہ تعالی کی صفاتِ ذاتیہ میں کسی کو شریک ٹھہرائے یا کسی مخلوق کو مستقل بالذات تصور کرے۔ صفات ذاتیہ سات ہیں حیات، قدرت، علم، سمع، بصر، ارادہ و مشیت اور کلام۔ (شرح عقائد، ص:۵۶، مجلس برکات)

اِن صفات میں سے کسی صفت کو مخلوق کے لیے ذاتی طور پر ماننا شرک ہے۔ یہ صفتیں ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کے لیے

حصر کے ساتھ مذکور ہیں: " اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ "(آل عمران، آیت:۲) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہے حیات والا اور قائم فرمانے والا۔" قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ" (سورہ: مائدہ، آیت:۷۶) تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو تمھارے نقصان کا مالک ہے اور نہ نفع کا اور اللہ ہی سنتا جانتا ہے۔(کنزالایمان) اسی طرح ساتوں صفات ذاتیہ کا حصر کے ساتھ بیان ہے۔

حصر کا مطلب ہے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، کسی مخلوق کے لیے یہ صفتیں نہیں ہو سکتیں۔ اب اگر ہم یہاں ذاتی اور عطائی کے درمیان فرق نہ کریں تو لازم آئے گا کہ انسان کو بے جان پتھر مانے۔ کیوں کہ حیات تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کسی بندہ کے ساتھ حیات کا تصور نہیں، اسی طرح سننا اور دیکھنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، تو اب کسی مخلوق کے اندر سماعت اور بصارت کی صفت نہیں ہو سکتیں، ورنہ شرک لازم آئے گا، جب کہ ظاہر حال ہی سے اس چیز کا بطلان ثابت ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی چلتا پھرتا شخص اپنے کو مردہ تسلیم نہیں کر سکتا۔ اگر ہم کسی سننے والے شخص کو بہرہ کہہ دیں یا کسی انکھیارے کو اندھا کہہ دیں، تو وہ غصہ میں آپے سے باہر ہو جائے گا، کیوں کہ یہ صفتیں بندوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:" اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسٰنَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔ "(سورہ: الدھر، آیت:۲) بیشک ہم نے آدمی کو ملی ہوئی منی سے پیدا کیا کہ اسے جانچے اور اسے سنتا اور دیکھتا بنایا۔ یعنی انسان کے اندر ہم نے سننے اور دیکھنے کی قوت رکھی ہے، جس سے وہ سن سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے۔

پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان صفتوں کو اپنے ساتھ خاص کیا، اور اس آیت میں انسان کے لیے سماعت و بصارت کو بیان کیا، اسی طرح بہت سی آیتوں میں انسان کے لیے قدرت و اختیار اور ارادہ وغیرہ کو بیان کیا ہے، جس سے دونوں آیتوں کے درمیان بظاہر ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ مخلوق سے ان صفتوں کی نفی ہے اور دوسری جگہ اثبات۔ تو اب ہمیں ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جس سماعت و بصارت کا بیان ہے اس کی نوعیت

بندوں کی سماعت و بصارت سے مختلف ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے دوسری صفتیں بندوں کی صفتوں سے فائق تر ہیں۔اسی کو اسلاف نے یوں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری صفتیں ذاتی ہیں یعنی وہ کسی کی عطا سے نہیں، بلکہ بذات خود اللہ تعالیٰ کے لیے وہ صفتیں ازل سے ثابت ہیں اور مخلوق کی ساری صفتیں عطائی ہیں۔یعنی بندے اپنی صفات میں مستقل بالذات نہیں ہیں، انھیں ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی عطا سے ملی ہیں، بغیر عطاے الٰہی وہ بے جان پتھر ہیں۔

اس تفصیل سے مذکورہ تعارض بھی ختم ہوگیا، وہ یوں کہ جہاں مخلوق کے لیے صفات ذاتیہ کی نفی ہے، وہاں بندوں کے لیے ذاتی طور پر صفتوں کا ہونا مراد ہے اور جہاں بندوں کے لیے ان صفتوں کا اثبات ہے وہاں عطائی طور پر ان صفتوں کا اثبات مراد ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ کسی مخلوق کے لیے کسی چھوٹے سے چھوٹا اور ادنیٰ سے ادنیٰ شئ کا ذاتی طور پر ماننا شرک ہے۔لیکن کسی کے لیے عطائی طور پر کچھ ماننا (خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو یا خرقِ عادت امر ہو) شرک نہیں، کیوں کہ یہ خدا کا شریک ٹھہرانا نہیں ہے، خدا کے لیے عطائی طور پر کسی چیز کا ہونا محال ہے، جب خدا کے لیے عطائی طور پر کوئی چیز نہیں، سب کے سب ذاتی طور ہیں، تو کسی مخلوق کے لیے عطائی طور پر کوئی چیز ماننا شرک اور برابر ٹھہرانا کیسے ہو سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اگر وہ امر عظیم اس مخلوق کو عطائی طور پر حاصل نہیں ہے تو وہ جھوٹا ہوگا نہ کہ مشرک، ہاں اگر کسی کے لیے ایسی صفت مانی، جس سے نصوص قطعیہ کی تکذیب ہوتی ہے، جیسے نبی کریم ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی کی آمد کا اقرار کرنا وغیرہ، ایسی صورت میں نصوص قطعیہ کی تکذیب اور انکار کے سبب کفر لازم آئے گا اور وہ شخص کافر ہو جائے گا۔لیکن اگر ایسی چیز مانی، جس سے نصوص کا انکار نہ ہو، بلکہ قرآن و حدیث یا اجماع سے ثابت ہو تو ایسی صورت میں اگرچہ وہ شئ مافوق الفطرت یا خرقِ عادت ہو، اس سے کفر و شرک لازم نہیں آئے گا۔جیسا کہ انبیا علیہم السلام بالخصوص سید المرسلین ﷺ کے لیے بعطاے الٰہی علم غیب، شفاعت وغیرہ کا ماننا۔

اخیر میں یہ امر بھی واضح ہو جائے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مخلوق کی جانب کسی کام کو

منسوب کرے تو وہ مشرک نہیں ہو گا۔ جیسے عام طور پر ہم بولتے ہیں: ڈاکٹر نے مریض کو شفا دی یا ہم نے فلاں کام کیا۔ اس طرح جب ہم کوئی کام اپنی جانب یا کسی مخلوق کی جانب منسوب کرتے ہیں، تو یہ مجازی طور پر منسوب کرتے ہیں، کیوں کہ ہم مانتے ہیں کہ حقیقتاً اللہ تعالی نے ہمیں ان چیزوں پر قدرت دی، تب ہم سے یہ امور صادر ہوئے۔ اسی طرح مسلمان کسی امر واقع کو انبیا یا اولیا کی جانب مجازاً منسوب کر دیتے ہیں۔ کوئی مسلمان کسی نبی یا ولی کی جانب حقیقی طور پر کسی کام کو منسوب نہیں کر سکتا، اگر چہ زبان سے کہ دیتا ہے کہ فلاں ولی نے میرا یہ کام بنا دیا، لیکن واقعتہ وہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس بزرگ کے توسل اور اس کی برکت سے اس کا کام پورا فرمایا۔

ایسی اسنادِ مجازی قرآن میں بھی اکثر جگہ آئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ”قُلۡ يَتَوَفّٰىكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِىۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ۔“ (سورہ:السجدہ، آیت:۱۱) یعنی اے نبی ﷺ! آپ فرمادو کہ تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے، جو تم پر مقرر ہے۔ آیت کریمہ میں موت کو ملک الموت حضرت عزرائل علیہ السلام کی جانب منسوب کیا گیا ہے، جب کہ اللہ تعالی ہی موت دیتا ہے۔ ”قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۔“ (سورہ:الجاثیۃ، آیت:۲۶) تم فرماؤ اللہ تمہیں جِلاتا ہے، پھر تم کو مارے گا، پھر تم سب کو اکٹھا کریگا قیامت کے دن جس میں کوئی شک نہیں لیکن بہت آدمی نہیں جانتے (کنزالایمان) ان آیات کریمہ اور عرف سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کسی معاملہ کو اپنی جانب یا کسی ولی یا نبی کی جانب منسوب کرے تو وہ مشرک نہیں ہو گا۔ ایسے شخص پر ڈائریکٹ شرک کا حکم لگا دینا ظلم ہے، بلکہ عرف اور قرآنی طریقہ سے روگردانی ہے۔ بغیر تحقیق کے کسی مسلمان کو کافر یا مشرک کہنا خود کفر ہے، جیسا کہ کثیر احادیث کریمہ سے ثابت ہے۔

انبیا علیہم السلام بشر سے افضل

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا فرمائی اور ساتھ ہی اس کی رہنمائی کے لیے انبیا علیہم السلام کی ذوات قدسیہ کو ہر امت میں مبعوث فرمایا، جنھوں نے خدا کے اوامر و نواہی پر کماحقہ عمل پیرا ہو کر اپنی قوم کو راہِ راست کی جانب رہنمائی کی اور زندگی بھر مشقتوں کو جھیل کر خدائے وحدہ لاشریک لہ کے پیغامات کو بندوں تک پہنچایا۔

انبیا علیہم السلام خدا کے برگزیدہ بندے اور تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد سب سے پہلا درجہ رسولوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان لانے کو فرض قرار دیا۔ ہم پر ضروری ہے کہ ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ انبیا کرام علیہم السلام پر بھی ایمان لائیں اور ان کے بارے میں پوری طرح سے جان لیں کہ ان کے لیے کیا ثابت ہے اور کن چیزوں سے وہ پاک اور منزہ ہیں؟ کہ کہیں کسی ضروری کے انکار یا محال کے اثبات سے کفر نہ لازم آئے۔ لہٰذا اب انبیا علیہم السلام کے متعلق بقدرِ تفصیل جان لیں۔

نبی وہ بشر ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو۔ نبیوں میں کچھ نبی ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا حکم دیا اور دیگر نبیوں پر فضیلت دی انہیں رسول کہا جاتا ہے۔ المعتقد المنتقد میں ہے "المشهورُ أنّ النبی من اوحیٰ الیه بشرعٍ اِن اُمر بالتبلیغ ایضا فرسولٌ۔ واطلاقُ النبی علیٰ کلٍ حقیقیةٌ واطلاق الرسول مجازٌ "(المعتقد المنتقد، باب الثانی فی النبوات، ص:۱۰۵، المجمع الاسلامی مبارکپور) یعنی نبی و رسول میں کچھ فرق ہے اگر چہ ایک دوسرے پر ہر ایک کا

اطلاق ہوجاتا ہے۔ قول مذکور کے مطابق جس نبی کو تبلیغ کا حکم ہو وہ رسول اور جن کو تبلیغ کا حکم نہ ہو صرف وحی ہو وہ نبی ہیں۔ ان کے درمیاں فرق کے سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ رسول وہ نبی ہیں جنھیں شریعت اور کتاب ملی ہو یا ان کی بعثت پر شریعت مقدمہ منسوخ ہوجائے اور اب انھیں کی شریعت لازم ہو، اور نبی وہ ہیں جو ان صفتوں سے خالی ہوں۔

نبی اور رسول دونوں کے لیے وحی کا نزول شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے باطنی پیغام کو وحی کہا جاتا ہے۔ انبیا علیہم السلام پر مختلف طریقے سے وحی نازل ہوتی ہے، کبھی کسی فرشتہ کے ذریعہ، کبھی خواب میں اور کبھی بلا واسطہ بیداری میں وحی نازل ہوتی ہے۔ بعض جگہوں میں جہاں غیرِ نبی کے لیے وحی کا لفظ آیا ہے، وہاں الہام پر مجازاً وحی کا اطلاق ہوا ہے، ورنہ حقیقتاً انبیا علیہم السلام ہی پر وحی نازل ہوتی ہے۔ وحیِ نبوت انبیا علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" (کہف، آیت: ۱۱۰) یعنی میں تمھاری طرح بشر ہوں، لیکن میری ایک خصوصیت یہ ہے کہ میری جانب خدا کی وحی ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں نبی اور بشر کے درمیان وحی کو فارق قرار دیا گیا ہے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ" (انعام، آیت: ۹۳) اور اس سے بڑھ کر ظالم کون؟ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا کہے مجھے وحی ہوئی، جب کہ اس کی طرف کچھ وحی نہیں ہوئی۔ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کی جانب وحی نہیں آتی ہے، کہے کہ ہماری طرف وحی آتی ہے، یعنی وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے، تو وہ بہت بڑا جھوٹا اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والا ہوگا۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب جس نے یمن کے علاقہ یمامہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسے قتل کیا۔

کوئی امتی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا: حاصل یہ ہے کہ وحی نبوت کا خاصّہ ہے اور یہ انبیا علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کی امتیازی فضیلت ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم

السلام کو دیگر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔ "وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ وَ یُوْنُسَ وَ لُوْطًا وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ." (انعام، آیت:۸۶) اور اسماعیل، یسع، یونس اور لوط (علیہم السلام) کو اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی۔ اس آیت کے تحت تفسیر خازن میں ہے: "اِنَّ الانبیاءَ افضل من الملئكة،لان العالم اسم لكل موجود سوى الله تعالیٰ فیدخل فیه الملك فیقتضى ان الانبیاء افضل من الملئكة الى آخره"، تفسیر خازن، ج:۲، ص:۳۳، بحوالہ: بہار شریعت، ج:۱، ص:۴۷، المکتبۃ المدینہ

ترجمہ: بے شک انبیائے کرام علیہم السلام فرشتوں سے بھی افضل ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر موجود کا نام عالم ہے، لہٰذا اس میں فرشتے بھی داخل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اور جب انبیا علیہم السلام فرشتوں سے بھی افضل ہیں، تو یہ امتی کیا؟ پھر جب عام نبی بشر سے افضل، تو سید الانبیا ﷺ کا کیا کہنا! وہ یقیناً ساری مخلوق سے افضل ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ کوئی امتی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا، چاہے وہ کتنا ہی بڑا مرتبہ والا اور عبادت گذار ہو جائے۔ اگر کوئی کسی امتی کو نبی کے برابر ٹھہرائے تو وہ مذکورہ آیت کریمہ کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ نیز یہ ممکن بھی نہیں ہے کہ کوئی امتی کثرتِ عبادت و ریاضت سے نبوت کے درجہ تک پہنچ جائے، کیوں کہ نبوت کسبی چیز نہیں ہے، کہ کوئی ہاتھ پیر مار کر کسی طرح نبوت کا درجہ حاصل کر لے، بلکہ یہ بس عطائی اور وہبی چیز ہے۔

علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ المعتقد المنتقد میں فرماتے ہیں: "النبوۃ لیست كسبية،خلافا للفلاسفه .قال التورفشتى فى المعتمد:اعتقاد حصول النبوة بالكسب كفر"(المعتقد المنتقد، ص:۱۰۷ المجمع الاسلامی) یعنی نبوت کسبی نہیں ہے اور تورفشتی کے بیان کے مطابق کسب اور اپنے عمل کے ذریعہ نبوت کے حصول کا اعتقاد کفر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام نبی کے سوا ساری مخلوقات سے افضل ہیں، کسی میں یہ دم نہیں کہ وہ عبادت و ریاضت یا کسی بھی طرح سے نبوت کا درجہ حاصل کر لے، ایسا ہی

جیسا کہ کوئی عبادت وغیرہ کے ذریعہ فرشتے کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ درجہ نبوت بہت بلند اور فائق تر ہے اور یہ محض عطائی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو یہ درجہ عطا فرمایا وہی نبی ہیں۔ کسی غیر نبی کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو، نبی مان لینا کفر ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد کے سلسلے میں حدیثیں مختلف ہیں، اس لیے کوئی متعیّنہ تعداد استعمال نہ کریں۔ بہار شریعت میں حضرت صدرالشریعۃ علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''انبیا کی کوئی تعداد متعیّن کرنا جائز نہیں کہ خبریں (حدیثیں) اس باب میں مختلف ہیں اور تعداد معین پر ایمان رکھنے میں نبی کو نبوت سے خارج ماننے، یا غیر نبی کو نبی جاننے کا احتمال ہے۔ اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں، لہذا اعتقاد چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر نبی پر ہمارا ایمان ہے۔'' (بہار شریعت، ج:اول، ص:۵۲، المکتبۃ المدینہ)

سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت

اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو ساری دنیا پر فضیلت بخشی۔ منجملہ انھیں دیگر مخلوقات پر فوقیت عطا فرمائی، پھر ان کے درمیان بھی درجات کا اعتبار کیا اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔ "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ" (سورہ:بقرہ، آیت:۲۵۳) یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔ (کنز الایمان)

'ورفع بعضھم درجٰت' میں بعض سے مراد حضور پر نور سیّد انبیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بدرجات کثیرہ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل کیا، آیت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفعتِ مرتبت کا بیان فرمایا گیا اور نام مبارک کی تصریح نہ کی گئی، اس سے بھی حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کے علوِ شان کا اظہار مقصود ہے،

کہ ذات والا کی یہ شان ہے کہ جب تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کا بیان کیا جائے تو سوائے ذاتِ اقدس کے یہ وصف کسی پر صادق ہی نہ آئے اور کوئی شبہ بھی نہ رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ خصائص و کمالات جن میں آپ ﷺ تمام انبیا علیہم السلام پر فائق و افضل ہیں اور آپ کا کوئی شریک نہیں بے شمار ہیں کہ قرآن کریم میں یہ ارشاد ہوا: درجوں بلند کیا، جن درجوں کا کوئی شمار قرآن کریم میں ذکر نہیں فرمایا، تو اب کون حد لگا سکتا ہے ؟ (مدارک 'جمل' خازن، بیضاوی وغیرہ، بحوالہ: خزائن العرفان)

ان بے شمار خصائص میں سے بعض کا اجمالی و مختصر بیان یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت عام ہے، یعنی پوری خلقت آپ ﷺ کی امت ہے۔ارشادِ ربّانی ہے:''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ'' (سورہ:سبا،آیت:۲۸) اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے، خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔یعنی آپ ﷺ ساری مخلوقات کی جانب مبعوث ہوئے جب کہ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام ایک خاص قوم کی جانب مبعوث ہوئے۔اسی طرح کی ایک دوسری آیت کریمہ میں آیا ہے:''تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔'' (سورہ:فرقان، آیت:۱) بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر، جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔(کنزالایمان) اس آیت مقدسہ میں 'العٰلمین' سارے جہاں کو عام ہے۔تو آپ ﷺ ہر قوم کے نبی ہیں۔

آپ ﷺ کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سارے نبیوں کے بعد آخری نبی بنا کر بھیجا۔''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا'' (الاحزاب، آیت:۴۰) محمّد ﷺ تمھارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے، اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔(کنزالایمان)

حدیث پاک ہے:"وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ - وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ - عَنِ الْعَلاَءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي

هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ." (صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰة، ص:۱۹۹، مجلس برکات)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے انبیا علیہم السلام پر چھ خوبیوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے: جوامع الکلم، رُعب، مالِ غنیمت کا حلال ہونا، پوری روئے زمین کا مطہر اور مسجد ہونا، میری بعثت تمام مخلوق کی جانب ہونا اور مجھ پر نبوت کا خاتمہ ہونا۔ اس حدیث میں دیگر فضیلتوں کے ساتھ ختمِ نبوت کو بھی ایک فضیلت شمار کیا گیا ہے۔ اگر کوئی ختمِ نبوت کا انکار کرے، یا کہے کہ ختم نبوت یہ کوئی فضیلت کی چیز نہیں ہے تو وہ آیت مذکورہ اور حدیث مبارکہ کا منکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو دنیا میں بے شمار فضیلتوں سے نوازنے کے ساتھ آخرت میں بھی آپ ﷺ کو بلند درجہ عطا فرمائے گا، سارے نبی اور ساری مخلوق آپ ﷺ کے محتاج ہوں گے، آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر مبعوث فرمائے گا: "عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا-(بنی اسرائیل، آیت:۷۹) عنقریب تیرا رب تجھے مقامِ محمود پر مبعوث فرمائے گا اور شفاعتِ کبریٰ کے مرتبہ سے نوازے گا۔

نبی کریم ﷺ کی افضلیت کثیر احادیث کریمہ سے بھی ثابت ہے۔ "حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:"مَا مِنَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ إِلاَّ قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ." (صحیح مسلم، ج:اول، باب وجوب الایمان برسالة نبینا ﷺ، ص:۸۶، مجلس برکات)

ترجمہ: جس نبی کو جو بھی نشانی ملی وہ اس جیسی نہیں ہے جس پر بشر نے ایمان لایا۔ مجھے ہی اللہ کی جانب سے وحی ہوئی ہے، امید ہے کہ بروز قیامت میرے متبعین سارے نبیوں کے متبعین سے زیادہ ہوں گے۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی امت زیادہ ہوگی اور آپ

ﷺ کو جو معجزات اور نشانات ملے ہیں وہ سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

ایک افضلیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ شریعتِ محمدیہ اگلی تمام شریعتوں کی ناسخ ہے:

"حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الأَعْلَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ وَأَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ أَبَا يُونُسَ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ:" وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لاَ يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلاَ نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلاَّ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ."(صحیح مسلم،ج:۱،باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد ﷺ الی جمیع الناس و نسخ الملل بملته،ص:۸۶،مجلس برکات) **ترجمہ:** رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم کھاتے ہوئے فرماتے ہیں:"اس امت کا جو بھی میرے بارے میں سنے،وہ یہودی اور نصرانی ہی کیوں نہ ہو۔ پھر مجھ پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو ضرور جہنمی ہو گا۔

حضور ﷺ ہر اعتبار سے دیگر مخلوقات بلکہ سارے نبیوں اور تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بے شمار فضیلتوں سے نوازا ہے۔

خلفائے راشدین اور امت محمدیہ ﷺ کی افضلیت

اللہ تعالیٰ نے حبیب پاک ﷺ کے توسل سے امت محمدیہ کو بھی سارے انبیا علیہم السلام کی امتوں پر فضیلت بخشی۔ فرمانِ عالی شان ہے:" كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" (سورہ:آل عمران، آیت:۱۱۰) تم بہتر امت ہو، اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔(کنزالایمان) شرح عقائد میں علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:" کنتم خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ الأية۔ ولا شك ان خيرية الامة بحسب كمالهم فى الدين و ذالك تابع لكمال نبيهم الذى يتبعونه۔"(شرح العقائد،ص:۱۴۱،مجلس برکات) یعنی امت کا بہترین ہونا

دین کے کمال کی وجہ سے ہے اور دین کا کمال ان کے نبی کے سبب ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ منجملہ امت محمدیہ دیگر امتوں سے افضل ہے۔ پھر ان میں بھی بعض بعض سے تقویٰ اور دین داری کے سبب افضل ہے۔امت محمدیہ میں سب سے افضل خلفاے راشدین ہیں۔"افضل البشر بعد نبینا ابو بکر الصدیق،ثم عمر الفاروق،ثم عثمان،ثم علی المرتضیٰ(رضی اللہ عنہم)من عباد اللہ وخلص اصحاب رسول اللہ،علیٰ ھٰذا وجدنا السلف۔والظاھر انہ لو لم یکن لھم دلیل علیٰ ذالک لما حکموا بذالک۔الیٰ قولہ :وخلافتھم علیٰ ھٰذا الترتیب ایضاً۔"(شرح عقائد، ص:۱۴۶-۱۴۷،مجلس برکات)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق، پھر عمر فاروق اعظم،ان کے بعد حضرت عثمان غنی، پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہمارے آقا ﷺ (اور انبیا علیہم السلام) کے بعد اللہ کے تمام بندوں سے حتیٰ کہ دیگر خالص صحابہ کرام سے بھی افضل ہیں۔یہی سلف صالحین کا مذہب ہے،انھوں نے دلیل کی بنا پر ہی ان صحابہ کرام کی افضلیت کا حکم لگایا ہے۔آگے فرماتے ہیں کہ ان صحابہ کرام کی خلافت بھی مذکورہ ترتیب کے مطابق ہے۔

ایک حدیث پاک ہے:"حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلِمَةَ ، قَالَ : سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ : خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ ، وَخَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ عُمَرُ."(سنن ابن ماجہ،باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص:۱۱) ترجمہ: راوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما ہیں۔اسی طرح بعض حدیثوں میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے بعد حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا بیان ہے۔مذکورہ حدیث پاک سے شیعہ وغیرہ کا رد بھی ہو جاتا ہے کہ اس میں خود حضرت علی نے شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا قول کیا ہے۔

عصمتِ انبیا علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہبری اور رہنمائی کے لیے انبیا علیہم السلام کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اور چوں کہ یہ ایک بنیادی فریضہ ہے کہ کسی کو راہ دکھانے اور راہِ راست پر لانے کے لیے پہلے خود راہ راست پر گامزن ہونا پڑے گا، کسی دوسرے کو گناہوں سے بچانے کے لیے، خود گناہوں سے بچنا پڑے گا، دوسرے کی تزکیہ کے لیے خود بھی پاک وصاف اور تمام عیوب سے منزہ ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جب انبیا علیہم السلام کو اپنی امت کی رہبری اور تزکیہ کے لیے مبعوث فرمایا، تو انہیں پاک وصاف رکھا، ان کی عصمت اپنے ذمہ کرم میں لے لی، تاکہ لوگوں میں ان کی تبلیغ تام ہو اور لوگ ان کے الٰہی پیغامات سے متاثر ہوں۔

عصمت کا لغوی معنی ہے گناہوں سے بچانا، روکنا، محفوظ رکھنا۔ اور اس کا شرعی معنی ہے بندے کے اندر گناہوں سے بچنے اور تمام عیوب سے محفوظ رہنے کا ایسا ملکہ عطا فرمانا کہ اب ان سے گناہوں کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ گناہوں سے پاک و صاف ہونے والے کو معصوم کہا جاتا ہے۔ تمام انبیاے کرام علیہم السلام ہر قسم کے معاصی اور نفرت انگیز امور سے پاک و صاف اور مامون و معصوم ہیں، ان سے گناہوں کا صدور محال ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک معصوم صرف فرشتے اور انبیا علیہم السلام ہیں، باقی کوئی مخلوق معصوم نہیں ہے۔ ہاں ایسا ممکن ہے کہ کسی خوش نصیب سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو، لیکن انبیا اور ملائکہ کے سوا کوئی ایسا نہیں کہ ان سے گناہ کا صدور محال ہو۔

انبیا اور ملائکہ علیہم السلام کی عصمت میں کچھ فرق بھی ہے۔ وہ یوں کہ فرشتوں کے اندر گناہ کرنے کی قدرت اور اختیار ہی نہیں، لیکن انبیا علیہم السلام کے اندر قدرت اور اختیار کے باوجود بفضل الٰہی وہ گناہوں سے معصوم و محفوظ ہیں۔ جیسا کہ شرح عقائد نسفی میں علامہ

سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "وحقیقۃ العصمۃ ان لا یخلق اللہ تعالیٰ فی العبد الذنب مع بقاء قدرتہ واختیارہ۔" (شرح عقائد نسفی، بحث: ولا یشترط فی الامام ان یکون معصوما، ص:۱۵۲، مجلس برکات) جب انبیا علیہم السلام گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے محفوظ ہیں تو یہ فرشتوں کی عصمت سے افضل ہوگا کہ ان میں گناہ کی قدرت ہی نہیں۔

انبیا علیہم السلام کفر و شرک سے نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی معصوم اور محفوظ تھے۔ اسی طرح تمام گناہ کبیرہ سے بالاجماع معصوم ہیں، اور اہلِ حق کے نزدیک انبیا علیہم السلام ان گناہ صغائر سے بھی پاک ہیں جو خلق کے لیے باعثِ نفرت ہوں۔ جیسے ایک لقمہ یا کوئی دانہ اٹھالینا وغیرہ۔

انبیا علیہم السلام بالاجماع نبوت کے بعد شرعی چیزوں میں جھوٹ بولنے اور خیانت سے مطلقاً محفوظ و مامون رہے۔ حدیث پاک ہے: "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَائِشَةَ ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ، قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَقَدْ كَذَبَ وَاللَّهُ يَقُولُ {يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ} الآيَةَ." (صحیح البخاری، جلد ثانی، باب قولہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ، ص:۶۶۴، مجلس برکات)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جو تم سے کہے کہ محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ کوئی چیز چھپائی ہے، تو وہ یقیناً جھوٹ بولا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے حبیب (ﷺ)! آپ کی جانب نازل کی گئی ساری چیزیں پہنچادو۔ اب اگر رسول اللہ ﷺ یا کوئی نبی اس میں خیانت کرے اور خدا کے حکم پر عمل نہ کرے تو خدا کے حکم کی نافرمانی ہوگی اور انبیا علیہم السلام سے یہ بہت بعید ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "ان الانبیاء معصومون عن الکذب خصوصاً فیما یتعلق بامر الشرائع وتبلیغ الاحکام وارشاد الامۃ، اما عمداً فبالاجماع، واما سهواً

فعندالاکثرین۔"(شرح عقائد،ص:۱۴۰، مجلس برکات) یعنی انبیاعلیہم السلام جھوٹ سے پاک ہیں بالخصوص شرعی امور، احکام کی تبلیغ اور امت کی ہدایت میں عمداً جھوٹ سے بالاجماع معصوم ہیں، اسی طرح جمہور کے نزدیک بھول کر بھی ان چیزوں میں جھوٹ سے انبیاعلیہم السلام محفوظ و معصوم ہیں۔

المعتقد المنتقد میں ہے:"وتنزیہھم عن الکبائر اجماعاوعن الصغائر تحقیقا،وعن استدامة السھووالغفلة توفیقا،واستمرار الغلط والنسیان علیھم فیما شرعوالامتھم قطعا،کذا قال القاضی۔" (المعتقد المنتقد،البحث الثانی فی النبوات،ص:۱۱۰،المجمع الاسلامی)

یعنی انبیاے کرام علیہم السلام گناہ صغائر اور کبائر سے محفوظ ہیں۔اسی طرح وہ توفیق الٰہی سے دائمی طور پر سہو اور غفلت سے اور قطعی طور پر مشروع چیزوں میں بار بار غلطی اور بھول چوک سے منزہ ہیں۔

انبیاعلیہم السلام کے گناہ صغائر سے منزہ ہونے کے سلسلہ میں کچھ اختلاف ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے:"اماالصغائر فیجوز عمدا عند الجمھور، خلافاللجبائی واتباعه ویجوزسھوابالاتفاق الامایدل علی الخسة کسرقةلقمة والتطفیف بحبة۔لکن المحققین اشترطوا ان ینبھواعلیه فینتھواعنه۔"(شرح عقائد، ص:۱۴۰،مجلس برکات) اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ صغائر جو خلق کے لیے نفرت و عار کا باعث نہیں ہیں، انبیاعلیہم السلام سے ان کا صدور بھول چوک سے ممکن ہے،اور جس سے لوگ گھن محسوس کرتے ہیں، جیسے کوئی دانہ اٹھالینا، وغیرہ ان سے وہ پاک ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:"لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ"(سورہ:البقرہ،آیت:۱۲۴) میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔درجۂ نبوت اللہ تعالیٰ کا عظیم عہدہ ہے،اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندے کو یہ عہدہ عطا فرمایا ہے،اس آیت کریمہ کے مطابق ضروری ہے کہ وہ ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو، کفر و شرک اور گناہ کبیرہ کا ہرگز مرتکب نہ ہو، یہ سب ظلم ہے۔لیکن ظلم کا اطلاق گناہ صغائر پر نہیں ہوتا ہے۔اس لیے انبیاعلیہم السلام سے گناہ صغائر کا صدور ممکن

ہے۔لیکن بھول چوک سے گناہ صغائر کا صدور واقعۃ گناہ نہیں ہے۔جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ایک جگہ قرآن میں آیا ہے: "وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى"(طٰہٰ،آیت:.۱۲۱) اور آدم(علیہ السلام) سے اپنے رب کے حکم میں لغزش ہوئی۔یہاں عصیاں اصلی معنی میں نہیں ہے۔کیوں کہ دوسری جگہ آیاھے" فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا"(طٰہٰ،آیت:۱۱۵) یعنی آدم علیہ السلام بھول گیے اور ہم نے اس کا قصد نہیں پایا۔گویا اس آیت میں ان کے عذر کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ کام ان سے نسیاناً صادر ہوا،تو در حقیقت یہ معصیت نہیں ہے اگر معصیت ہوتی تو خداوند قدوس کی جانب سے اس کے عذر کا بیان نہیں ہوتا۔

حاصل یہ ہے کہ انبیاعلیہم السلام جملہ گناہ کبائر سے پاک ہیں اور اُن چھوٹے گناہوں سے بھی پاک ہیں،جن کے سبب لوگ نفرت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔اسی طرح اُن اوصاف سے بھی پاک ہیں جن سے لوگ گھِن محسوس کرتے ہیں۔علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:"والحق منع ما یوجب النفرۃ کعھرالامھات والفجور والصغائر الدالۃعلی الخسۃ" یعنی انبیاعلیہم السلام کے متعلق حق یہ ہے کہ وہ ہر نفرت کی چیزوں سے پاک اور منزہ ہیں۔جیسا کہ ماں کا بدکار ہونا،فسق وفجوراور ایسے گناہ صغیرہ سے تنزیہ جو خسیس اور گھٹیا ہونے پر دال ہو۔

انبیا علیہم السلام کے نسب کی پاکیزگی

اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو ذاتی طور پر تمام گناہوں اور عیوب و نقائص سے محفوظ رکھنے کے ساتھ ان کے نسب کو بھی افعال رذیلہ و خبیثہ سے پاک وصاف رکھا۔ انبیا علیہم السلام کے آبا و اجداد اور ان کی ماؤوں کے پاک ہونے کے متعلق علامہ فضلِ رسول بدایونی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "النزاهة فی النسب ای سلامة من دناءة الآباء وعهر الامهات"(المعتقد المنتقد، باب الثانی فی النبوات، ص:۱۱۶، المجع السلامی) یعنی انبیا علیہم السلام کے اباو اجداد اور ان کی مائیں گھٹیا عادتوں اور بدکاری سے پاک و منزہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان معتقد کی مذکورہ عبارت کے تحت حاشیہ 'المستند المعتمد' میں تحریر فرماتے ہیں: "و نص الامام الرازی فی اسرار التاویل و غیرہ من المحققین حتی بحر العلوم فی الفواتح باسلام آباء الانبیاء و امهاتهم جمیعا من الاقربین الی آدم و حوّا علیهم الصلوٰة والسلام ،و قد اثبت ذالك الامام الجلیل الجلال السیوطی فی نبینا صلی الله علیه وسلم۔" **ترجمہ**: امام رازی اپنی کتاب اسرار التاویل اور دیگر محققین حتیٰ کہ بحر العلوم 'فواتح الرحموت' میں فرماتے ہیں کہ انبیا علیہم السلام کے اباو اجداد اور ان کی مائیں اور قریبی رشتہ دار حضرت آدم و حوا علیہما السلام تک سارے کے سارے موحد اور مسلم تھے۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے سید الانبیا ﷺ کے آباو اجداد کے سلسلے میں کفر سے تنزیہ اور اسلام کو ثابت کیا ہے۔

اس بیان کا حاصل یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام اور ان کے آباو اجداد اور مائیں حضرت

آدم علیہ السلام تک بدکاری اور خسیس و رذیل عادتوں سے محفوظ رہے، ساتھ ہی وہ دین دار اور موحد تھے۔

سید الانبیا ﷺ کے والدین کریمین مومن تھے

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا کرام علیہم السلام کو پاک نسلوں سے پیدا فرمایا، بالخصوص سید الانبیا ﷺ کو خود بھی عیوب سے منزہ فرمایا اور ان کی نسلوں کو بھی پاک وصاف رکھا۔آپ ﷺ کی حدیث ہے:"حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ عَمْرٍوعن سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللہ صلى الله عليه وسلم قَالَ : بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتَّى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ مِنْهُ۔ "(صحیح البخاری، جلد اول، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، ص:۵۰۳، مجلس برکات) اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بنی آدم کے بہترین نسل سے پیدا ہوا ہوں۔

بہترین نسل، مومن ہی کی نسل ہے، کفار کی نسل بہتر نہیں ہو سکتی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :"وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ "(البقرہ، آیت:۲۲۱) یقیناً مومن غلام مشرک سے بہتر ہے۔جب ایک مومن غلام کسی بھی مشرک سے بہتر ہے، تو کوئی مشرک مسلمان اور مومن سے بہتر نہیں ہو سکتا۔پھر یہ کہ مشرک حکماً نجس ہوتا ہے:" اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ" (التوبۃ، آیت:۲۸) یعنی مشرک نجس ہوتا ہے۔اور نجس چیز ہرگز بہتر نہیں ہو سکتی۔تو ثابت ہو گیا کہ مشرک ہرگز بہتر نہیں۔بہتر مومن ہی ہے، جیسا کہ پہلی آیت کریمہ سے ثابت ہوا۔

اب رہی بات کہ کیا ہر زمانہ میں مومن اور مسلم افراد موجود تھے؟ تو اس سلسلے میں

حضرت امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے:"لم یزل علیٰ وجہ الدھر (الارض) سبعۃ مسلمون فصاعدا،فلولا ذالك هلكت الارض ومن علیها۔"(اخرجه عبدالرزاق وابن المنذر بسندصحیح علی شرط الشیخین،بحواله شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام،ص:٦٣) یعنی ہر زمانہ میں کم از کم سات مسلم اور مومن افراد روئے زمین پر موجود رہے ہیں۔گویا ہر زمانے میں اچھے اور مسلم لوگ موجود تھے اور وہی بہتر ہیں،اس کے مقابلہ میں کوئی مشرک اور کافر ہرگز بہتر نہیں ہوسکتا۔اور جب ہر زمانہ میں مومنین کی جماعت موجود تھی تو آپ ﷺ انھیں بہتر اور کفر وشرک سے پاک افراد کی نسلوں سے منتقل ہوتے ہوئے اس خاکدان گیتی پر قدم ناز رکھے،نہ کہ مشرک جیسی ناپاک نسلوں سے۔

اس کی صراحت خود آپ ﷺ ایک حدیث میں فرماتے ہیں:"لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الطیبۃ الی الارحام الطاھرۃ مصفی مهذبا۔لاتنشعب شعبتان الا کنت فی خیر هما" (دلائل النبوة لابی نعیم ،الفصل الثانی ،عالم الکتب،بیروت ۔الجزء الاول ،ص١١۔١٢، بحواله شمول الاسلام ،ص:٦٤) یعنی ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پاک اور ستھری صلبوں سے پاک ارحام کی طرف منتقل کرتا رہا۔دو شاخیں ہوتیں،تو میں دونوں میں بہتر شاخ میں ہوتا۔اسی طرح ایک حدیث میں ہے:"لم یزل انقل من اصلاب الطاهرین الی ارحام الطاهرات" (دلائل النبوۃ لابی نعیم عن ابن عباس،المقصد الاول دارالمعرفۃ،بیروت،ج:١،ص:١٧٤،بحوالہ: فتاویٰ رضویہ،ج:٣٠،رسالہ شمول الاسلام) یعنی پاک صلبوں سے پاک رحموں کی جانب منتقل ہوتا رہا۔وغیرہ۔

ان احادیث کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یقینا حضور ﷺ کے آباو اجداد اور امہات سب پاک اور مومن تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے صدقے،آپ کی نسل کو کفر وشرک اور ہر طرح کی صفات رذیلہ سے پاک رکھا،نبی کریم ﷺ کے والدین اور ان کے اوپر جتنے آباواجداد ہیں سب کے سب کفر وشرک سے پاک اور موحد تھے۔

علم غیب اور مغیبات خمسہ

خدائے وحدہ لا شریک لہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے، وہ ہر چیز پر قادر، دنیا و آخرت کی ساری چیزیں اس کے زیر قدرت اور اس کے علم میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، احسن تقویم کے تاج زریں سے نوازا اور عقل و خرد اور علم و فن کی لازوال دولت عطا فرما کر دنیا کی ساری چیزیں اس کے تابع کر دیا۔ اسی عقل کے ذریعے انسان ترقی کرتا ہوا آج ماہ و نجوم سے مقابلہ کرنے لگا ہے۔ انسان نے علم و عقل کی بنا پر آج بہت سی چیزوں کا پتہ لگا لیا ہے، لیکن ان میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں، جن سے بڑے بڑے سائنس داں اور اہلِ علم ناواقف اور ان کے سامنے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس طرح کی ہماری آنکھوں سے اوجھل چیزوں کو عربی زبان میں "غیب" کہا جاتا ہے۔

لغوی اعتبار سے اس کی تعریف کی جاتی ہے "ما غاب عنک" جو تم سے چھپی ہو وہ غیب ہے اور اصطلاحِ شرع میں ہر چھپی چیز کو غیب نہیں کہتے ہیں بلکہ غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا حس کے ذریعے ادراک نہ ہو سکے اور نہ بداہتِ عقل سے معلوم ہو سکے۔ جیسا کہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "یومنون بالغیب" (البقرۃ) کے تحت غیب کی تفسیر میں فرمایا: "المراد به الخفی الذی لا یدرکه الحس ولا یقتضیه بداهة العقل" (التفسیر للبیضاوی، ج:۱، ص:۱۸) اس اعتبار سے وہ چیزیں جو ہماری نظروں سے اوجھل ہیں لیکن عقل یا قوت حاسہ کو استعمال کر کے ہم انھیں نہیں جان سکتے ہیں، وہ اصطلاحی غیب میں داخل ہوں گے۔ جیسے جنت، دوزخ، عالم برزخ وغیرہ کا علم۔

یوں تو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا علیہم السلام کو ان غیوب کا علم عطا فرمایا، لیکن ان پیغامبروں میں ہمارے نبی ﷺ سرِ فہرست ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انبیا پر ہر چیز میں فضیلت بخشی ہے اور سارے انبیا علیہم السلام کے اوصاف کا جامع بنایا، اللہ تعالیٰ

نے آپ ﷺ کو کائنات کے سارے غیوب کا علم عطا فرمایا۔ارشاد ربّانی ہے:"عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا۔اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" (سورہ:جن، آیت:٢٦) اللہ تعالیٰ غیب اور پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے اوروہ اس غیب پر منتخب اور پسندیدہ رسولوں ہی کو مطلع فرتاہے۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں جہاں علم غیب کے متعلق دوسرے کی نفی کی،وہیں علم غیب میں انبیاعلیہم السلام کا استثنا کیا،جس سے معلوم ہواکہ انبیاعلیہم السلام دوسرے مخلوق کی طرح نہیں،وہ غیب سے واقف ہیں،اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ رسولوں کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے۔توآپ ﷺ کو بدرجہ اولی غیبوں کا علم عطافرمایا،کیوں کہ آپ ﷺ سید الانبیاءاور خدا کے سب سے محبوب نبی ہیں۔جیسا کہ دوسری آیتوں میں اس کا واضح بیان ہے۔

(١) "ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ "(سورۃیوسف ،آیت:١٠٢) یہ غیب کی خبریں ہیں،جوہم تمھاری طرف وحی کرتے ہیں۔اس میں صاف بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو غیب کی خبریں عطاکی۔

(٢) "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا" (سورۃ نساء، آیت:١١٣) تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہیں جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔اس آیت کریمہ میں کلمۂ 'ما' عام ہے جو ساری چیزوں کو شامل ہے،تواب آیت کریمہ کا مطلب ہو گا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان ساری چیزوں کا علم عطا فرمایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور جب ساری نادانستہ چیزوں کا علم عطافرمادیا تواب دنیاکی کوئی چیز آپ کے علم سے خارج نہ رہی۔

(٣)اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق فرمایا:" مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ﴿٣٨﴾" (انعام،آیت:٣٨)ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا ، پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے(کنزالایمان)۔ اس آیت میں "مِنْ شَیْءٍ"نکرہ ہے جو" مَا فَرَّطْنَا"نفی کے تحت آیاہے اور عربی کا قاعدہ ہے کہ نکرہ تحت نفی عام ہوتا ہے،اسی طرح "وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ

شَیْءٍ"(سورۃ:النحل،آیت:۸۹) یعنی اور ہم نے تم پر جو قرآن اتارا ہے اس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔اس آیت کریمہ میں لفظِ 'کل' عام ہے، تو گویا قرآن میں ہر ظاہر اور چھپی چیز کا بیان ہے۔اور قرآن کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا۔"اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔خَلَقَ الْاِنْسٰنَ۔عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔(سورۃ:الرحمن، آیت:۱تا۴) رحمٰن نے اپنے محبوب ﷺ کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد ﷺ کو پیدا فرمایا، ماکان و مایکون کا بیان انھیں سکھایا۔(کنز الایمان) تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے توسل سے اپنے حبیب ﷺ کو ساری چیزوں کا علم عطا فرمادیا، آپ ﷺ عالم ما کان و مایکون ہیں۔ ان آیات قطعیہ کے مقابل میں خبر احاد یا احتمالی آیات و احادیث کو لاکر بعض چیزوں سے علم کی نفی کرنا اصول و ضوابط کے خلاف ہے، بلکہ قرآن کی شان گھٹانا ہے۔ہاں اتنا ہے کہ آپ ﷺ کو یک بارگی ساری چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا نہیں فرمایا، بلکہ ضرورت کے مطابق اشیا کا علم دیتا رہا، اور قرآن کی تکمیل کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے علم کی بھی تکمیل فرمائی۔

کثیر احادیث کریمہ سے بھی رسول کریم ﷺ کا علمِ غیب ثابت ہے۔یہاں بطورِ نمونہ ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔" وَرَوَى عِيسَى عَنْ رَقَبَةَ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ : سَمِعْتُ عُمَرَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ قَامَ فِينَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ.(صحیح البخاری.ج:اول،باب:ما جاء فی قوله تعالیٰ وهو الذی يبدء الخلق ثم يعيده،ص:۴۵۳،مکتبہ:مجلس برکات) یعنی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ ایک مجمع میں کھڑے ہوئے اور ہمیں ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے جنت میں اور جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہوجانے تک کے سارے حالات کی خبر دی، جس نے ان چیزوں کو یاد رکھا تو وہ یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

ان آیات مقدسہ اور احادیث مبارکہ کے مطابق اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ خدا کی عطا سے نبی کریم ﷺ عالم غیب ہیں اور آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف نہیں لے

گئے کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو ماکان ومایکون کا علم عطا فرمایا۔

اس عقیدے کی بنیاد پر غیر مقلدین ہم پر شرک کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اہل سنت و جماعت نبی ﷺ کو خدا کے برابر اٹھہراتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم غیب ہے، اسی طرح ہم نبی ﷺ کا علم غیب مانتے ہیں، یہ سراسر الزام ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کا کوئی عقیدہ شرک کا مستلزم نہیں ہے۔ اور ہم ہرگز نبی کریم ﷺ کے لیے خدا کے برابر علم غیب نہیں مانتے ہیں۔ نبی ﷺ کے لیے علم غیب کے متعلق ہمارا عقیدہ تین قیود کے ساتھ مقید ہے۔

(۱) نبی کریم ﷺ کا علم دو حدوں کے درمیان محدود اور متناہی، جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود اور غیر متناہی ہے۔

(۲) حضور ﷺ کا علم حادث اس میں تغیر و تبدل جائز اور فنا ممکن ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور اس کے لیے ازازل تا ابد واجب ہے، اس میں تغیر و تبدل ناممکن۔

(۳) رسول اللہ ﷺ کا علم عطائی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کیا تو حاصل ہوا، جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے، کسی کی عطا سے نہیں۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے علوم میں اتنے سارے فرقوں کے ساتھ بھی اگر کوئی ہمیں یہ کہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراتے ہیں تو یہ سراسر ظلم اور عوام کو دھوکا دینا ہے۔

مغیبات خمسہ اور ہمارے نبی ﷺ

مذکورہ آیات کریمہ اور احادیث مقدسہ سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ عالم غیب ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ابتدائے آفرینش سے انتہائے دنیا اور جنت و دوزخ کا علم عطا فرمایا۔ اِن روشن دلائل کے باوجود کچھ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے علم غیب سے جلن ہوتی ہے، وہ قرآن و حدیث میں علمِ غیب کی نفی تلاشتے رہتے ہیں۔ اگر کہیں ان کو کچھ شوشہ مل جاتا ہے تو اس کو خوب بیان کرتے ہیں۔

اب ہم یہاں ان آیتوں اور احادیث کریمہ کو پیش کرتے ہیں جن سے گستاخانِ رسول ﷺ، ہمارے بھولے بھالے عوام کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور حدیث کا ظاہری مفہوم پیش کر کے کہتے ہیں کہ ان نصوص سے نبی کریم ﷺ اور دیگر افراد سے علمِ غیب کی نفی ثابت ہے۔ "وَ عِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُہَاۤ اِلَّا ہُوَ" (الانعام، آیت:۵۹) اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہے، انھیں وہی جانتا ہے۔ "قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰہُ" (النمل، آیت:۶۵) تم فرماؤ! غیب کا علم زمین و آسمان میں کسی کو نہیں بس اللہ تعالیٰ ہی غیب جانتا ہے۔ ان آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کسی دوسرے کو قطعًا غیب کا علم نہیں۔

اسی طرح غیر مقلدین علم غیب کی نفی میں اکثر حدیث جبریل کو پیش کرتے ہیں :حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ،أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ،عَنْ أَبِي زُرْعَةَ،عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ:مَا الإِيمَانُ؟ قَالَ الإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ- قَالَ: مَا الإِسْلاَمُ؟ قَاسلَ الإِسْلاَمُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ وَلاَ تُشْرِكَ بِهِ وَتُقِيمَ الصَّلاَةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ- قَالَ :مَاالإِحْسَانُ؟ قَالَ:أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ،فَإِنَّهُ يَرَاكَ- قَالَ:مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ:مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ

السَّائِلِ وَسَأُخْبِرُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتِ الأَمَةُ رَبَّهَا، وَإِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الإِبِلِ الْبُهْمُ فِي الْبُنْيَانِ فِي خَمْسٍ لاَ يَعْلَمُهُنَّ إِلاَّ اللَّهُ ثُمَّ تَلاَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم {إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ} الآيَةَ ثُمَّ أَدْبَرَ فَقَالَ رُدُّوهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ.(صحیح البخاری،ج:اول، کتاب الایمان، باب:سوال جبریل۔ص:۱۲، مجلس برکات،حدیث نمبر:۵۰)

ترجمہ: ایک دن رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے،اس درمیان ایک شخص آیا اور پوچھا:ایمان کیا ہے؟آپ ﷺ نے جواب دیا،ایمان یہ ہے کہ تم اللہ،اس کے فرشتوں،روز قیامت لقائے الٰہی،اس کے رسولوں اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لاؤ۔پھر انہوں نے پوچھا:اسلام کیا ہے؟تو آپ ﷺ نے فرمایاکہ اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو،اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو،زکوٰۃ دو اور رمضان کا روزہ رکھو۔پھر احسان کے بارے میں پوچھا،تو آپ ﷺ نے فرمایاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس حال میں کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو،اگر ایسی کیفیت نہ پیدا ہو تو یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں دیکھ رہا ہے۔اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے پوچھا:قیامت کب آے گی؟تو آپ ﷺ نے فرمایاکہ مسئول سائل سے زیادہ نہیں جانتا ۔ہاں تمیں قیامت کی علامتوں کے بارے میں بتائیں گے۔علامتیں یہ ہیں:جب باندی اپنے مالک کو جنے اور جب اونٹ کے چرواہے بڑی بڑی عمارتوں پر فخر کرنے لگے تو قیامت آئے گی۔پھر آپ ﷺ نے فرمایاکہ پانچ چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم۔اس کے بعد آپ ﷺ اس کے متعلق یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی" إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ الاٰیۃ،"یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کو قیامت کا علم ہے،وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحمِ مادر میں کیا ہے اور کسی کو اس کے بارے میں نہیں معلوم کہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں مرے گا،یقینا اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔"وہ اجنبی شخص ان سوالات کے بعد واپس ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:جاؤ اس شخص کو دیکھو،لوگوں نے اسے نہیں پایا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ جبریل علیہ السلام تھے جو لوگوں کو دین کی تعلیم کے لیے آئے

تھے۔

اوپر والی دونوں آیات کریمہ سے مطلقاً علم غیب کی نفی ہے اور حدیث جبریل میں مذکور آیت کریمہ میں پانچ چیزوں سے غیر اللہ کے علم کی نفی ہے:(۱)قیامت(۲)بارش کانزول(۳)شکمِ مادر میں بچہ کے متعلق(۴)آئندہ کی خبر(۵)موت کا وقت اور مقام۔جب کہ اس کے مقابل آیات سابقہ اور احادیث مبارکہ میں صراحت کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے لیے علم غیب کو بیان کیا گیا ہے، جس سے دونوں کے درمیان ظاہری طور پر تعارض اور ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے۔جب کہ قرآن میں واقعتاً تعارض نہیں "تبیانا لکل شئ"،'تبیان' واضح بیان کو کہا جاتا ہے،توقرآن میں کہیں بھی ٹکراؤ اور تعارض نہیں ہو سکتا ہے۔لہذا ہمیں غور کرنا پڑے گا کہ جہاں آپ ﷺ کے جس علم غیب کو ثابت کیا گیا ہے وہ کیسا علم غیب ہے ؟اور جہاں علم غیب کی نفی کی ہے وہ کیسا علمِ غیب ہے۔ایک ہی طرح کا علم غیب ایک جگہ مخلوق کے لیے ثابت اور دوسری جگہ نفی،ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ورنہ قرآن کا جھوٹا ہونا لازم آے گا۔لہذا دونوں علم غیب کے درمیان کچھ نہ کچھ ضرور فرق ہو گا۔اس فرق کو ہمارے اسلاف کرام نے یوں بیان کیا ہے کہ جہاں علم غیب کا ثبوت ہے وہاں علم غیب عطائی مراد ہے اور جہاں علم غیب کی نفی ہے وہاں ذاتی مراد ہے،اور عطائی اور ذاتی کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہے۔یعنی انبیاے کرام علیہم السلام اور سید الانبیا ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے غیب کا علم ہے۔ذاتی طور پر نہیں۔ذاتی طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے،باقی زمین وآسمان کے کسی بھی مخلوق کو ذاتی طور پر غیب کا علم نہیں ہے اور یہی نفی والی آیتوں سے مراد ہے۔

اب یہ کہ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پانچ چیزوں کی تخصیص کیوں فرمائی؟تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس زمانے میں نجومی اور کاہن لوگ شیطان کے بتانے پر لوگوں کو اکثر اُن پانچ چیزوں کی جھوٹی خبر دیا کرتے تھے۔تواللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا رد فرمایا کہ ان پانچ چیزوں کے بارے اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم،وہ ان کے متعلق شیطان یا نجومیوں کو نہیں بتایا تو انھیں ان کے بارے کچھ پتہ نہیں۔ہاں انبیاے کرام علیہم السلام اور خاص مقرب بندوں کو

اللہ تعالیٰ نے اِن کے اور اِن کے علاوہ دوسری چیزوں کی خبر دی، تو انھیں اِن کے متعلق خدا کے بتانے سے علم ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: "يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ يَحْيٰى "(مریم، آیت:۷) اے زکریا! ہم تجھے ایک بچہ کی خوش خبری سناتے ہیں، جس کا نام یحیٰی ہوگا۔ ابھی حضرت یحیٰ علیہ السلام کی پیدائش نہیں ہوئی تھی، اس سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کو مافی الارحام کا علم عطا فرمایا۔ اسی طرح ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام کے متعلق ارشاد ربانی ہے: "قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۔"(السجدہ، آیت:۱۱) تم فرماؤ کہ موت کا فرشتہ جسے تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تمہیں موت دیتا ہے، پھر تمھیں انے رب کی جانب پلٹنا ہے۔ جب ملک الموت کو مخلوق کی موت کے کام سپرد کیے گیے ہیں تو انھیں ان چیزوں کا علم بھی عطا فرمایا کہ کون کب اور کہاں مرے گا؟ حضور ﷺ کو بھی موت کا علم تھا، آپ ﷺ نے روز بدر ابو جہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ کی موت اور جاے موت کے بارے میں خبر دی۔ حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کی خبر دی، قیامت کی بہت ساری علامتیں بیان کیں۔ غرض کہ ذاتی طور پر آپ ﷺ اور کسی کو بھی کسی چیز کا علم نہیں۔ ہاں عطائی طور پر آپ ﷺ کو ما کان و ما یکون کا علم ہے حتی کہ خاص جن پانچ چیزوں کی نفی ہے ان کا بھی علم آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔

حدیث جبریل میں "مالمسئول بأعلم من السائل" سے غیر مقلدین رسول اکرم ﷺ کے علم غیب کی نفی کا استدلال کرتے ہیں، جب کہ حدیث پاک کے اس جملہ میں مطلقاً علم کی نفی نہیں ہے، بلکہ زیادتی کی نفی ہے اور زیادتی کی نفی سے مطلقاً علم کی نفی ہر گز نہیں ہوگی۔ جملہ کا معنی یہ ہے کہ مسئول قیامت کے متعلق سائل سے زیادہ نہیں جانتا، ہاں سائل جتنا جانتا ہے اتنا مسئول بھی جانتا ہے۔ اگر نہیں جانتا تو علامتوں کو کیسے بتایا؟ علامت وہی بتاتا ہے جو حقیقت شئ کے بارے میں جانتا ہو۔ تو آپ ﷺ کو قیامت کی پوری خبر تھی اور اسی وجہ سے قیامت کی بہت ساری علامتوں کو بتایا، یہاں تک کہ قیامت کے دن اور مہینہ کو بھی بتایا۔ صرف قیامت کے سنہ او ہجری کو نہیں بتایا، کیوں کہ اس میں بڑی حکمت

تھی۔نیز اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ قیامت اچانک آے: "یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۔"(سورہ :اعراف .آیت :۱۸۷ ،پارہ:۹)

ترجمہ: تم سے قیامت کے بارے پُوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟تم فرماؤ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا، بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ قیامت تم پر اچانک ہی آئے گی۔جب اچانک قیامت آئے گی،تو اس کے وقت کو پورے طور پر بتا دینا اچانک کے خلاف ہوتا ، اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا وقت نہیں بتایا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے بہت سے مقامات پر خدا کی مرضی کے مطابق بہت سی حکمتوں کے سبب غیب کا اظہار نہیں فرمایا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کو غیب کا علم تھا ہی نہیں۔یقیناً آپ ﷺ عالمِ ماکان ومایکون ہیں،اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساری چیزوں کا علم عطا فرمایا۔

شفاعت کی شرعی حیثیت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو ہر طرح کی فضیلتوں سے سرفراز فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دونوں جہاں میں بڑی فضیلت بخشی ،اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو قیامت کے دن مقام محمود پر مبعوث فرماکر سارے اولین و آخرین پر آپ کی شان و عظمت کو اجاگر فرمائے گا۔قیامت کے ہولناک عالم میں جب کسی کی زبان خدا کے سامنے نہیں کھلے گی اس وقت اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا اور شفاعتِ کبریٰ کے مرتبہ سے نوازے گا۔

شفاعتِ کبریٰ اور مقام محمود کے سلسلے میں آیت کریمہ ہے:" عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔(الاسراء، آیت:۷۹)عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے تحت مقام محمود کی تفسیر میں ہے "انه مقام الشفاعة لما روى أبو هريرة رضى الله تعالى عنه انه (صلى الله عليه وسلم) قال هو المقام الذى اشفع فيه لامتى" ترجمہ:مقام محمود وہ مقام شفاعت ہے۔جیساکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:کہ مقامِ محمود وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا۔

شفاعت کبریٰ کے ذریعہ جب آپ ﷺ شفاعت کا دروازہ کھول دیں گے،تو اب انبیاعلیہم السلام پھر اولیا، علما اور بعض مقربانِ بارگاہ کو شفاعت کی اجازت ملے گی اور یہ حضرات بھی شفاعت فرمائیں گے۔حدیث پاک ہے:"حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَرْوَانَ ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ ، حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ عَلاَّقِ بْنِ أَبِي مُسْلِمٍ ، عَنْ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ

اللہ صَلَّی اللہ عَلیْہِ وسَلَّمَ : یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثَلاَثَةٌ : الأَنْبِیَاءُ ، ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ. (سنن ابن ماجہ، باب الزہد، باب ذکر الشفاعۃ، ص:۳۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تین لوگ شفاعت کریں گے: انبیا، پھر علما، پھر شہدا۔ یہ تعداد حصر کے طور پر نہیں ہے، بعض حدیثوں میں دیگر مقربانِ بارگاہ کی شفاعت کا بیان ہے۔

ان آیات کریمہ اوراحادیث مبارکہ کی روشنی میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں شفاعت حق ہے۔ انبیااور صالحین بارگاہِ خداوندی میں مومنین کی (اگرچہ وہ گنہگار ہوں) شفاعت کریں گے۔

معتزلہ اور وہابیہ کا رد: معتزلہ اور وہابیہ نے گنہگاروں کے لیے شفاعت کا انکار کیا ہے اور مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا ہے :وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔(اٰل عمران،آیت:۱۹۲) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفٰعَةُ الشّٰفِعِیْنَ" (سورہ:المدثر، آیت:۴۸) انھیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ اسی طرح کی ایک آیت کریمہ ہے:"وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفٰعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ(سورہ:البقرہ،آیت:۴۸) نہ کسی کی شفاعت مقبول ہوگی اور نہ کسی کو بدلہ لے کر چھوڑا جائے گا۔ ان آیتوں میں شفاعت نہ قبول کیے جانے کا بیان ہے۔ لیکن یہ ساری آیتیں کفار کے حق میں ہے۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"قد تمسکت المعتزله بهذاالأية على نفى الشفاعة لاهل الكبائر. واجيب بانها مخصو صة بالكفار للا يات والاحاديث الواردة فى الشفا عة ويويده ان الخطاب معهم . والآيه نزلت ردالما كانت اليهود تزعم ان ابا ئهم تشفع لهم." (بیضاوی، سورہ:بقرہ،ص:۷۳) ترجمہ: معتزلہ نے اس آیت سے گنہگار کے حق میں شفاعت کی نفی پر استدلال کیا ہے۔ اوراس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ شفاعت صرف کفار کے حق میں مقبول نہ ہوگی۔ اور یہ آیت یہودیوں کے رد میں

نازل ہوئی کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے باپ دادا ان کی شفاعت کریں گے۔ غرض کہ جو آیتیں کفار کے حق میں نازل ہوئیں، مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہوئے ان کو مومنین پر صادق کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا۔" (النساء، آیت، ٦٤) **ترجمہ**: اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (کنز الایمان)

شفاعت کا مطلب ہے: کسی عظیم بارگاہ میں مجرم کی معافی کے لیے کسی مقبولِ بارگاہ کا واسطہ لینا۔ وہ یوں کہ وہ مقبول بارگاہ اس مجرم کے لیے معافی کی دعا کرے۔ آیت کریمہ میں اسی کا بیان ہے کہ وہ مجرم (گنہگار) آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو اور آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مغفرت فرمادے گا۔ یہاں ہمیں منکرینِ شفاعت سے یہ سوال ہے کہ شفاعت اور واسطہ معتبر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے گنہگار کو بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کا حکم کیوں دیا؟ کیا مجرم ڈائریکٹ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کے ساتھ دعا اور مغفرت طلب نہیں کر سکتا تھا؟ تو معلوم ہوا کہ شفاعت کی ہم گنہگاروں کو ضرورت ہے اور مقبولانِ بارگاہ کی شفاعت کا توسل خدا کا حکم بھی ہے۔ وہ ضرور ہم گنہگاروں کے حق میں اپنے مقرب بندوں کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

حدیث پاک ہے: "حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة . ثنا أبو معاوية عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم:"لكل نبي دعوة مستجابة.فتعجل كل نبي دعوته وإني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي.فهي نائلة من مات منهم لايشرك بالله شيئا۔" (ابن ماجه،ابوب الزهد،باب ذكر الشفاعت،ص:٣١٩،) ہر نبی کے لیے

ایک مقبول دعا ہے، سارے انبیا علیہم السلام وہ دعا مانگ چکے، لیکن میں نے اپنی اس خاص دعا کو بروز قیامت اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھا ہے۔ اور میری اس شفاعت میں ہر وہ امتی حصہ پائے گا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ اس حدیث میں مطلقا سارے مؤمنین کے لیے شفاعت کا بیان ہے اگرچہ وہ مؤمن گنہگار ہو اور توبہ کیے بغیر انتقال کر گیا ہو، اس میں گنہگار نہ ہونے کی کوئی قید نہیں ہے۔ اسی صفحہ کی ایک حدیث میں ہے: "إن شفاعتي يوم القيامة لأهل الكبائر من أمتي" **ترجمہ:** میری شفاعت قیامت کے دن میری امت کے گنہگاروں کے لیے ہے۔ لہذا گنہگاروں کے لیے شفاعت کا انکار اس صحیح حدیث کا انکار ہے اور صحیح حدیث کا انکار کوئی کافر یا گمراہ ہی کرے گا۔ ایک سچا مومن احادیث مبارکہ کا انکار نہیں کر سکتا۔

معتزلہ نے ایک قسم کی شفاعت (یعنی مومنین اور جنتیوں کے جنت چلے جانے کے بعد ان کے درجات میں اضافہ کرنے کے لیے شفاعت) کا اقرار کیا ہے، لیکن وہابیہ کا پیشوا اسماعیل دہلوی کے کلام میں تو سرے سے شفاعت ہی کا انکار کرتا ہے۔ اس نے خدا کی بارگاہ میں شفاعت ماننے کو شرک کہا ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص:۷، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان میں شفاعت کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں. (۱) شفاعة بالوجاهة (۲) شفاعة بالمحبة (۳) شفاعة بالاذن۔ پھر اس نے ان قسموں کے معانی بیان کر کے ان کے احکام بیان کیے ہیں۔

(۱) شفاعت بالوجاہت کو اس نے اصلاً شرک قرار دیا ہے اور اپنی اختراع سے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ بادشاہ شفاعت کرنے والے سے دب کر اس کی شفاعت قبول کر لے۔ (تقویۃ الایمان، ص:۲۵) وجاہت کا یہ معنی کہ مد مقابل سے ڈر جائے یا دب جائے، یہ بالکل اختراع ہے۔ اس کا معنی شان و شوکت اور عزت والا ہونا ہے۔ اب کسی بادشاہ کے پاس کسی کی عزت ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ بادشاہ اس سے خوف زدہ ہے، بلکہ دوسرے کے مقابلے میں اس شخص کی بارگاہ میں عزت ہے، خود خدا نے حضرت موسیٰ کے متعلق فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (الاحزاب ،آیت:۶۹) اے ایمان والوان جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کوستایا تواللہ نے اسے بَری فرمادیااس بات سے جوانہوں نے کہی اور موسیٰ اللہ کے یہاں آبرو والاہے۔(کنزالایمان) اگروجیہ کا وہی معنی ہوتا جوانھوں نے بیان کیاہے، توخدا کی بارگاہ میں ہرگز کوئی وجیہ نہیں ہو سکتا،اور آیت کریمہ (نعوذ باللہ) جھوٹی ثابت ہوتی۔اور جب آیت کریمہ میں وجیہ کہا گیاہے ،تومعلوم ہواکہ خداکی بارگاہ میں اس کے نیک بندوں کی وجاہت ثابت ہےاور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان مقربین اور معزز لوگوں کی شفاعت قبول کی جائےگی۔

(۲)تقویۃ الایمان میں شفاعت کی دوسری قسم شفاعۃ بالمحبۃ کوبھی شرک کہاہے۔اور اس میں بھی صاحبِ کتاب اسمٰعیل دہلوی نے اپنی جانب سے یہ معنی بیان کیاہے کہ بادشاہ شفاعت کی وجہ سے لاچاراور مجبور ہوکر مجرم کی تقصیر معاف کردے۔(تقویۃ الایمان، ص:۲۵،ملخص) محبت کا یہ معنی بھی اختراع اور دھوکہ ہے۔کسی کے محبوب ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس محبت کی بناپر مجبور ہوجائے۔اگرایسا ہوتا توخداکا کوئی محبوب نہیں ہوتا،جب کہ نبی کریم ﷺ کا محبوب ہونا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کاخلیل (بہت قریبی محبوب) ہوناقرآن وحدیث سے ثابت ہے۔اسی طرح نبی کریم ﷺ کے سلسلے میں فرمانِ خداوندی ہے:"اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" (آل عمران،آیت:۳۱)خداکی محبت کے لیے پہلے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور اتباع کو لازم قرار دیاگیاہے۔گویامحبت میں مجبوری اور لاچاری کاکوئی دخل نہیں۔

(۳)تیسری قسم شفاعۃ بالاذن کوتوجائزاور ممکن ماناہے،لیکن اس کاجومعنیٰ بیان کیا ہے وہ دراصل شفاعت ہے ہی نہیں،نہ شرعا،نہ عقلااور نہ عرفا،اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ شفاعت بالاذن کی صورت یوں ہے کہ چورایک مرتبہ چوری کرکے اپنی شناعۃِ نفس پر بڑا شرمندہ ہو،اسی پر رات دن روتا گڑگڑاتا رہے۔اس کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ کوترس آجائے

لیکن آئین کا خیال کرتے ہوئے وہ بے سبب درگذر نہیں کر سکتا کہ کہیں لوگوں کے دلوں میں اس آئین کی قدر گھٹ نہ جائے ، تو کوئی وزیر بادشاہ کی مرضی پاکر اس قصور وار کی سفارش کرے۔ (تقویۃ الایمان، ص:۲٦، کتب خانہ رحیمیہ، ملخصًا)

گویا اس مجرم کی معافی میں اس سفارشی کا کوئی دخل نہیں ، بادشاہ نے پہلے ہی اسے معاف کر دیا ہے۔ پھر اس عبارت میں اسماعیل دہلوی نے اللہ تعالیٰ کی شان میں کتنی گستاخیاں کی ہیں، عبارت سے واضح ہے۔ سب سے بڑی گستاخی یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک بندہ کے برابر ٹھہرایا، شریعت کے دستور کو کمزور قرار دیا۔ کیوں کہ انھوں نے کہا کہ آئین کی پاسداری کرتے ہوئے بادشاہ کو امیر کا واسطہ لینا پڑا۔ گویا آئین یہاں مرضئ خدا کے مطابق نہیں ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ہی بانئ شریعت ہے۔ تو گویا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ کو انھوں نے مجبور مانا کہ کسی سفارشی کا واسطہ لے۔ اسی طرح انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے امور کی انجام دہی کے لیے سبب اور غرض کو مانا ہے، جو عقائد اہل سنت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کے کسی کام کی کوئی غرض نہیں ہوتی ہے، کیوں کہ کسی فعل کا کوئی غرض اور محرک ماننے سے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونا لازم آئے گا، جو باطل ہے۔

غرضیکہ وہابیہ اور معتزلہ کے اختراعات قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی شفاعت مومن کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اگرچہ وہ مومن گنہگار ہو۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے بعد دیگر انبیاے کرام علیہم السلام اور برگزیدہ بندوں کو شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا۔

تقلید ائمہ اور اس کی ضرورت

یقیناً قرآن انسان کی رہبری اور رہنمائی کے لیے کافی اور وافی ہے، اس میں ساری چیزوں کا بیان ہے، دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ قرآن میں جس کا بیان نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ" (انعام، آیت:۳۸) قرآن میں ہم نے کوئی چیز نہیں چھوڑی، بلکہ "وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيٰنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" (النحل، آیت:۸۹) یعنی قرآن پاک میں ہر چیز کا بیان ہے، لیکن عام انسان کو قرآن میں مذکور ساری چیزیں نظر نہیں آتی ہیں۔ صریح آیتوں کے ساتھ کچھ آیتیں مجمل بھی ہیں، آیت کے ظاہر ی معنیٰ کے ساتھ ایک باطنی معنیٰ بھی ہوتا ہے، جن تک براہِ راست ہماری رسائی ممکن نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہماری سہولت کے لیے کچھ ایسے فقہا پیدا کیے، جو قرآن و حدیث کی گہرائی سے موتیاں چھان لائیں اور اس کے سارے احکام کو واضح کر دیں۔ اب ہمیں انھیں فقہا ے کرام کی اتباع کا حکم ہے۔ اسی اتباع اور پیروی کو اصطلاحِ شرع میں تقلید کہا جاتا ہے۔

تقلید کا معنی علما نے لکھا ہے: 'تسلیم قول الغیر بلا دلیل' یعنی حسن ظن سے دوسرے کی بات بلا دلیل مان لینا۔ تقلید زندگی کے ہر شعبے میں ضروری ہے، ہم اپنی زندگی کے ہر موڑ پر تقلید کے محتاج ہیں۔ کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، اور بول چال وغیرہ تقلید ہی سے اوّلاً معرض وجود میں آتے ہیں۔ اسی طرح دینی معاملات میں بھی تقلید سے مفر نہیں۔ کیو ں کہ قرآن کی غیر صریح آیتوں کو عام آدمی سمجھ ہی نہیں سکتے۔ بہت سی آیتیں مجمل، خفی، مشکل وغیرہ ہیں۔ اسی طرح آئے دن کے نت نئے ایسے ایسے مسائل ہیں، جن کی صراحت قرآن وحدیث میں ہمیں نظر نہیں آتی۔ نصوص کو سمجھنے اور ان سے مسائل اخذ کرنے کے لیے بہت سے علوم پر دسترس کی ضرورت ہے، جیسے آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ کی تاریخ اور شانِ نزول وغیرہ کا علم۔ ان چیزوں سے ہر ایک واقف نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مسائل کے استخراج

واستنباط کے لیے تفقہ فی الدین بھی بہت ضروری ہے، جو خالص خداداد اور وہبی صلاحیت ہے۔ لہٰذا ہمیں ان حضرات کی اتباع ضروری ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے درجہ اجتہاد پر فائز کیا اور تفقہ فی الدین کی استعداد عطا فرمائی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:"فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (سورہ انبیا، آیت :۷) اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔اس آیت کے مخاطب غیر مجتہدین ہیں اور اہل علم سے مراد مجتہدین کرام ہیں اور سوال سے مقصود اہل علم اور مجتہد کے قول کی پیروی ہے، تو آیت کریمہ کا مطلب ہوگا غیر صریح احکام میں مجتہدین کی اتباع اور تقلید کریں۔ تقلید گویا قرآنی حکم ہے، کوئی بدعت نہیں ہے۔ نیز عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی عہد نبوت کے بعد مجتہد اور فقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کیے۔ عہد نبوی میں صحابہ کا منبع اور مرکز آپ ﷺ ہی تھے، لیکن آپ ﷺ کے بعد جب نئے نئے مسائل نمودار ہوئے، تو غیر مجتہد اور غیر فقیہ صحابہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف رجوع فرماتے جو فقاہت اور اجتہاد کے منصب پر فائز ہوتے اور ان کے تسلی بخش جواب پر عمل پیرا ہوتے۔ گویا صحابہ کرام میں دو جماعت تھی، ایک مجتہد اور فقہاے صحابہ کی جن میں خلفاے راشدین کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہ کی ذوات قدسیہ ہیں (رضی اللہ عنہم) اور باقی عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی، جو فقہاے صحابہ کے ارشادات پر عمل کرتے۔

حدیث پاک ہے:''حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِی عَوْنٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أَخِی الْمُغِیرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أُنَاسٍ مِنْ أَهْلِ حِمْصَ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ: كَيْفَ تَقْضِى إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟ قَالَ أَقْضِى بِكِتَابِ اللَّهِ. قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِى كِتَابِ اللَّهِ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم- قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِى سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَلاَ فِى كِتَابِ اللَّهِ؟ قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِى وَلاَ آلُو. فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم صَدْرَهُ وَقَالَ:"الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِى وَفَّقَ رَسُولَ

رَسُولِ اللّٰہِ لِمَا یُرْضِی رَسُولَ اللّٰہِ۔" (سنن ابو داؤد، ج:ثانی، کتاب القضاء، باب اجتهاد الرای فی القضاء، ص:۵۰۵)

ترجمہ: جب حضور ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: اے معاذ کس سے فیصلہ کروگے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ سے، پھر فرمایا: اگر قرآن میں تمھیں نہ ملے؟ تو عرض کیا کہ سنت رسول للہ سے۔ فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ؟ عرض کیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعائیں دیں کہ حمد و ثنا اس ذات بابرکات کے لیے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس کی مرضی کے مطابق توفیق دی۔ اس حدیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کا بیان ہے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے انھیں اجتہاد سے منع نہیں کیا، بلکہ اجتہاد کو اہمیت دیتے ہوئے اس پر حضرت معاذ کے لیے دعا کی۔

عہد صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی بہت سے صاحبِ علوم و فنون فقہا درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے جن میں سرِ فہرست ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام امالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہیں۔ ان حضرات نے اجتہاد و استنباط میں نمایاں کارنامے انجام دیے اپنی جاں کاہ محنت و مشقت اور تحقیق و تدقیق سے فقہ کی تدوین کی، استخراج و استنباط کے اصول و ضوابط متعیّن کیے اور انسانی زندگی کے ایک ایک پہلو کو قرآن و حدیث سے روشن کر دیے، پھر انھوں نے جملہ شعبہاے حیات کے متعلق مسائل کو نظم و نسق کے ساتھ قلم و قرطاس کے حوالہ کیا، جس کے نتیجے میں آج تک ائمہ اربعہ کے مستخرجہ مسائل اور استنباط کے متعیّنہ اصول و ضوابط کتابوں میں محفوظ و مامون ہیں۔ اس کے مقابلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی کا مذہب محفوظ نہیں، یا جملہ شعبۂ حیات کے متعلق ان کے مستنبطہ مسائل نہیں مل پاتے ہیں، اسی لیے صحابہ کرام میں سے کسی صحابی کی تقلید ہم پر واجب نہیں ہے، ورنہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے، ہاں ائمہ اربعہ کی تقلید سے بالواسطہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع ہو جاتی ہے۔

تیسری صدی ہجری میں اس پر اجماع ہوا کہ اب ائمہ اربعہ ہی میں سے کسی کی تقلید

لازم اور ضروری ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنا رسالہ 'الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف' میں فرماتے ہیں"ان ھٰذہِ المذاھب الاربعۃ مدونۃ قد اجتمعت الأمۃ أو من یعتد بہ منھا علی جواز تقلیدھا الی یومنا ھٰذا و فی ذالک من المصالح مالا یخفی۔" (الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، باب التقلید فی المذاھب الاربعۃ، ص:۹۷، مکتبہ:دارالنفائس) یعنی یہ چاروں مدون (تدوین کی ہوئی) مذاہب کی تقلید درست ہونے پر پوری امت یا کم از کم ارباب حل عقد (معتمد علما) کا اجماع ہو چکا ہے اور اس میں بڑی مصلحتیں ہیں جو اہل نظر سے مخفی نہیں ہے۔ اسی کتاب میں ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں" اعلم ان الناس کانوا فی المأۃ الاولی والثانیۃ غیر مجتمعین علی التقلید لمذھب وا حد بعینہ۔ الی قولہ و بعد القرنین حدث فیھم شئ من التخریج والتمذھب۔"(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، ص:٦٨، مکتبہ:دار النفائس)

ترجمہ: پہلی اور دوسری صدی میں لوگوں کا مذہب معین کی تقلید پر اجماع نہیں ہوا تھا، دوسری صدی کے بعد تیسری صدی میں ایک مذہب کی تقلید پر اجماع ہوا۔

ایک ہی امام کی تقلید کیوں؟ :مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک ہی مذہب کی تقلید اس لیے ضروری ہے کہ بہت سے مسائل میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے۔ مثلا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک 'امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ کی قرأت واجب ہے، اس کے بغیر مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام کے پیچھے قرأت جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں بیک وقت دونوں پر عمل ممکن نہیں ،کیوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک ہی وقت مقتدی زبان سے قرأت کرے اور خاموش بھی رہے۔ اس لیے کسی ایک ہی پر عمل کرے گا اور کسی ایک ہی امام کی تقلید ضروری ہے۔

پھر جب کوئی ایک مذہب کی تقلید کرنے لگے تو سارے مسائل میں اسی کی اتباع ضروری ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک مسئلہ میں امام اعظم کی تقلید کرے اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے امام کی تقلید کرے۔ جیسے مسئلہ مذکور میں امام اعظم رحمہ اللہ کا مسئلہ 'سورہ فاتحہ کی

قرأت واجب نہیں 'آسان ہے، تو اس پر عمل کرے اور منی کی پاکی اور ناپاکی کے مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے مسئلہ پر عمل کرے کہ ان کے نزدیک منی پاک ہے جب کہ امام اعظم کے نزدیک منی ناپاک ہے، اسے دھونا ضروری ہے۔ یعنی جہاں مثلاً امام اعظم کا مسئلہ آسان لگا وہاں اسے اختیار کر لیا اور جہاں امام شافعی کا مسئلہ اچھا لگا وہاں اسے لے لیا۔ تو ایسی صورت میں وہ امام کا مقلد نہیں رہا، بلکہ ہوائے نفس اور اپنی خواہش کا مقلد ہے۔ ساتھ ہی کوئی نظام باقی نہیں رہے گا، اس لیے ایک ہی امام کی تقلید ضروری ہے۔

اخیر میں یہ بھی واضح ہو جائے کہ تقلید دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک شرعی، دوسری غیر شرعی۔

تقلید غیر شرعی جو شریعت کے خلاف ہے وہ ناجائز و حرام ہے۔ جیسے شادی اور غمی وغیرہ کے پرانے رسم و رواج، ان میں سے اگر کوئی رسم شریعت کے خلاف ہے تو اس کی پابندی اور تقلید ناجائز اور حرام ہے۔ قرآن میں ایسی ہی تقلید کی مذمت جابجا آئی ہے۔ "وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾" (سورہ: البقرۃ، آیت: ۱۷۰)

ترجمہ: جب ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام پر چلو، تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے باپ، دادا کو پایا، اگرچہ وہ عقل اور رشد و ہدایت سے کورے ہوں۔ گویا شریعت کے خلاف اشیا میں تقلید ناجائز اور حرام ہے۔ رہی تقلید شرعی تو یہ بالاجماع جائز ہے جیسے شرعی مسائل میں ائمہ اربعہ کی تقلید، مذمت والی آیتوں کا تقلید شرعی سے کوئی تعلق نہیں۔ دوسری آیت اور احادیث کریمہ سے تقلید شرعی کا جواز ثابت ہے۔ جیسا کہ بالتفصیل اس کا بیان ہوا، لہذا تقلید غیر شرعی کے متعلق آیتوں پر تقلید شرعی کو قیاس کر کے حرام کہنا کم عقلی اور بے دینی ہے۔

متفرق عقائد اور مسائل

(۱) اللہ تعالیٰ کو "اوپر والا" کہنا کفر ہے۔ اگر اس کا اعتقاد رکھ لے تو کافر ہو جائے گا، ورنہ تو یہ لفظ بہر حال حرام ہے، اس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ ''اللہ تعالیٰ جہت، مکان، زمان، حرکت و سکون، شکل و صورت اور جمیع حوادث سے پاک ہے۔'' (بہارِ شریعت، ج:۱، ص:۱۹، المکتبۃ المدینۃ)

(۲) اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق و مالک ہے، وہی خیر و شر کا خالق ہے، لیکن سوے ادب کی وجہ سے شر کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا جائز نہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا بھی خالق ہے، ہماری حرکت و سکون سب کے سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مجبور محض نہیں بنایا ہے، انھیں کسب کا اختیار دیا، بندہ جب کوئی کام کرنے لگتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس کے کام کی تخلیق فرما دیتا ہے۔ اسی وجہ سے بندہ اپنے افعال پر عقاب و ثواب کا مستحق ہے۔ جیسا کہ شرح عقائد میں ہے: ''واللہ تعالیٰ خالق لأفعال العباد، الیٰ قولہ: وللعباد أفعال اختیاریۃ یُثابون بھا ان کانت طاعۃً ویُعاقَبون علیھا ان کانت معصیۃً'' (شرح عقائد، ص:۹۲۔۹۷، مجلس برکات)

(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہر بھلائی اور برائی کو اپنے علم ازلی کے مطابق مقدر فرما دیا ہے، جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا ویسا ہی لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ ایسا نہیں کہ جیسا اس نے لکھ دیا ویسا ہی ہم کو کرنا پڑتا ہے، بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اس نے لکھ دیا ہے۔

"قضاو قدر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آسکتے، ان میں زیادہ غور و فکر کرنا سببِ ہلاکت ہے۔ اتنا سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو پتھر اور دیگر جمادات کی طرح بے حس و حرکت نہیں پیدا کیا، بلکہ اس کو ایک نوع اختیار دیا ہے، وہ کام کرے، چاہے نہ کرے۔"
(بہارِ شریعت، ص:۱۸، المکتبۃ المدینۃ)

(۵) ساری آسمانی کتابیں اور صحیفے حق ہیں اور سب کلام اللہ ہیں، ان میں موجود ساری چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن سابقہ کتابوں (تورات، زبور، انجیل وغیرہ) پر بالتفصیل ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، "والایمان بھما جملةفرض عین وبالاول دون الثانی تفصیلامن حیث انا متعبدون بتفاصیله فرض ولکن علی الکفایة" (بیضاوی، سورہ:بقرہ،ص:۲۰۔۲۱، رضا اکیڈمی ممبئی) یعنی قرآن کے ہر جز پر ایمان لانا فرض ہے لیکن سابقہ کتابوں پر تفصیلا ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔

"اگلی کتابوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے امت کے سپرد کی تھی ان سے اس کی حفاظت نہ ہوسکی۔ ان میں کافی تحریف ہوچکی ہیں یعنی انھوں نے اپنی جانب سے خواہش کے مطابق گھٹا بڑھا دیا ہے۔ لہذا جب کوئی بات ان کتابوں کی ہمارے سامنے پیش ہو تو اگر وہ ہماری کتاب کے مطابق ہے تو ہم اس کی تصدیق کریں گے اور اگر مخالف ہے تو یقین جانیں گے کہ یہ ان کی تحریفات سے ہے، اور اگر موافقت، مخالفت کچھ معلوم نہیں تو حکم ہے کہ ہم اس بات کی نہ تصدیق کریں نہ تکذیب، بلکہ یوں کہیں کہ: "اٰمنتُ باللّٰہِ وملٰئکتِہٖ و کُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ" اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ہمارا ایمان ہے۔" (بہارِ شریعت، جلد اول، ص:۳۰، المکتبۃ المدینۃ)

(۶) قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی ایک صفت ہے، اور اس کی دوسری صفات کی طرح قرآن بھی قدیم ہے۔ "والقرآن کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق" (شرح عقائد، ص:۵۰، مجلسِ برکات) یعنی قرآن حادث نہیں ہے، بلکہ قرآن اللہ کا کلام ہے

اور قدیم ہے۔

(۷)"تمام انبیاعلیہم السلام اللہ عزوجل کے حضور عظیم وجاہت و عزت والے ہیں۔ان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاذاللہ چوہڑے چمار کی مثل کہنا کھلی گستاخی اور کلمۂ کفر ہے۔" (بہار شریعت،ج:اول،ص:۵۶،المکتبۃ المدینہ)

مسئلہ: "انبیائے کرام، تمام مخلوق یہاں تک کہ رُسُل ملائکہ سے افضل ہیں۔ ولی کتنا ہی بڑے مرتبہ والا ہو، کسی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔ جو کسی غیرِ نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے، کافر ہے۔" (بہار شریعت،ج:۱،ص:۴۷،المکتبۃ المدینۃ)

مسئلہ: "نبی کی تعظیم فرضِ عین بلکہ اصلِ تمام فرائض ہے۔کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب، کفر ہے۔" (بہارِ شریعت،ج:۱،ص:۴۷،المکتبۃ المدینۃ)

(۸)اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو بے شمار فضیلتوں سے نوازا اور تمام مخلوق حتّٰی کہ سارے نبیوں اور فرشتوں سے افضل بنایا، انھیں آخری نبی بناکر قیامت کے لیے مبعوث فرمایا۔" مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا۔" (الاحزاب،آیت:۴۰) محمّد ﷺ تمھارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں ،ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔(کنزالایمان)

(۹)فرشتے اللہ تعالیٰ کی نیک مخلوق ہے ،اللہ تعالیٰ نے انھیں نور سے پیدا فرمایا۔فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک قدم تجاوز نہیں کرتے،" لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔" (التحریم،آیت:۶) وہ اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔فرشتے معصوم ہیں ،ان کے متعلق مختلف امور سپرد ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ طاقت دی کہ جو شکل چاہیں اختیار کریں۔وہ نہ مرد ہیں نہ عورت، جیسا کہ علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"والملائکۃ عباداللہ تعالیٰ، عاملون بأمرہ ولایوصفون بذکورۃ ولاأنوثۃ"(شرح عقائد،ص:۱۴۱،مجلسِ برکات)

مسئلہ: "کسی فرشتہ کے ساتھ ادنیٰ گستاخی کفر ہے۔ جاہل لوگ اپنے کسی دشمن یا مبغوض کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ملک الموت یا عزرائیل آگیا، یہ قریب بکلمۂ کفر ہے۔ اسی طرح فرشتوں کے وجود کا انکار، یا یہ کہنا کہ فرشتہ نیکی کی قوت کو کہتے ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں، یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔" (بہارِ شریعت، حصہ اول، ص:۹۵، المکتبۃ المدینۃ)

(۱۰) عالمِ برزخ: یہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک عالم ہے، مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے تمام انس وجن کو حسبِ مراتب اس میں رہنا ہوتا ہے، اور طاعت ومعصیت کے اعتبار سے بعض کو آرام ملتا ہے اور بعض کو تکلیف۔

(۱۱) ایک دن ایسا آئے گا کہ پوری کائنات فنا ہوجائے گی، صرف ایک اللہ تعالیٰ باقی رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ مردوں کو ان کی قبروں سے اٹھائے گا اور ان کا حساب وکتاب پیش کرکے جنت کے مستحقین کو جنت میں داخل فرمائے گا اور جہنم کے مستحقین کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ بعض گنہگار جو جہنم کے مستحق ہوں گے، انبیا علیہم السلام بالخصوص سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو شفیع الامت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے سایۂ کرم میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین، بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

تمت بالخیر

طالب دعا

محمد حفیظ الرحمٰن مصباحی

مہاجن ٹولہ، راج محل، صاحب گنج (جھارکھنڈ)، ۸۱۶۱۰۸

۹/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ، مطابق ۱/مارچ ۲۰۱۵